

جاسوسی دنیا

56- پہلا شعلہ

57- دوسرا شعلہ

58- تیسرا شعلہ

59- جہنم کا شعلہ



جاسوسی دنیا نمبر 58

تیسرا شعلہ

(تیسرا حصہ)

غار ہے آئی تھیں۔ فریدی کو تقریباً آدھے گھنٹے تک وہیں کھڑے رہنا پڑا۔ اب ستارے بھی غائب ہو گئے تھے اور اچھی طرح اجالا پھیل گیا تھا۔ اس نے نارنج کی روشنی غار میں ڈالی وہ کسی ڈھلوان سڑک کی طرح ناہموار گہرائیوں میں اترتا چلا گیا تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں فریدی اس میں اتر گیا۔ وہ جیسے جیسے نیچے اتر رہا تھا پانی بہنے کی آواز واضح ہوتی جا رہی تھی اور پھر تقریباً پندرہ منٹ بعد اس نے خود کو اُس جگہ پر پایا جہاں اس کے بائیں بازو پر گولی لگی تھی۔

ٹالا ویسے ہی زور و شور کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ درمیان میں ایک ابھری ہوئی چٹان تھی جس پر وہ ایک ہی جست میں پہنچ سکتا تھا اور دوسری جست اسے دوسرے کنارے پر لے جاتی جہاں سے آگے بڑھ کر راکٹ گڈھ کی پہاڑیوں تک پہنچنے کا راستہ بخوبی یاد تھا۔

تمام شد

مل گئے

ٹارچ کی روشنی ادھر ادھر اندھیرے میں رینگتی رہی۔ پھر فریدی ایک ہی چھلانگ میں نالے کے درمیان ابھری ہوئی چٹان پر پہنچ گیا۔

اور وہاں ہی کا سفر جاری رہا۔ اس چڑھائی تک پہنچنے کے بعد جو بیرونی دراڑ تک جاتی تھی وہ رک گیا۔ لیکن یہ کہنا دشوار تھا کہ وہ اس طرح اپنی تسکین منا رہا ہے۔ یا رکنے کا مقصد کچھ اور تھا۔ اس نے اپنی پشت پر لگا ہوا تھیلا اتار کر نیچے رکھ دیا۔ پھر اس میں سے اپنے کپڑے نکالے۔ اس کے جسم پر ابھی تک کراغالیوں ہی کا لباس تھا۔ اس نے اسے اتار کر اپنے کپڑے پہن لئے لیکن میک اپ بدستور قائم رکھا۔

اب وہ ٹارچ روشن کئے بغیر مسطح چٹان پر چل رہا تھا کیونکہ اس سے پہلے بھی دوبارہ اس چٹان پر چل چکا تھا۔ اس لئے کم از کم اس کے لئے اندازے کی غلطی کا امکان نہیں تھا۔

پھر وہ اس پتلی سی دراڑ میں داخل ہوا، جو حقیقتاً اس حیرت انگیز سفر کا باعث بنی تھی۔ یہیں اس نے حمید کو کھویا تھا۔ یہاں پہنچتے ہی ایک بار پھر حمید بڑی شدت سے یاد آیا۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ اسے دوبارہ زندہ دیکھنے کی توقع نہیں تھی۔ ان لوگوں نے اسے زندہ نہ چھوڑا ہوگا۔

دراڑ سے نکلنے ہی صبح کی خوشگوار ہوا کے لطیف جھونکوں نے اس کا استقبال کیا۔ حالانکہ سردی شدید تھی لیکن پھر بھی وہ اسے موسم بہار ہی کی ہوا کے جھونکے محسوس ہو رہے تھے۔ مشرقی افق میں سرخی پھیل گئی تھی اور دور تک بکھری ہوئی چٹانیں تلکے اجالے میں انگڑائیاں سی لیتی معلوم ہو رہی

تھیں۔

فریدی جنوب کی طرف بڑھتا رہا۔ نیند کے بادل اس کی آنکھوں سے گزر رہے تھے۔ وہ چلتے چلتے رک گیا۔ اس کی پشت سے لگے ہوئے تھیلے میں ایک تھرموس بھی تھا اس میں شاید کافی تھی۔ خانم نے تو صرف اتنا ہی کہا تھا کہ تھیلے میں کچھ کھانے پینے کی چیزیں ہیں لیکن ابھی تک اسے اس کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔ تھرموس میں یقیناً کافی ہوگی۔ وہ سوچنے لگا اگر وہ کافی ہی ہوئی تو وہ پیدل ہی چلتا ہوا بے تکان رام گڈھ تک پہنچ سکے گا۔ وہ اتنا احمق بھی نہیں تھا کہ ابھی اور اسی وقت ان پر اسرار مجرموں کی کمین گاہ تلاش کرنے لگتا۔ وہ ایک ایسی جگہ رکا تھا جس کے گرد چھوٹی چھوٹی چٹانیں ملحقہ کئے ہوئے تھیں۔ اس نے پشت سے تھیلہ اتارا۔ تھرموس دیکھ کر ہی اس کے چہرے پر تازگی لہریں لینے لگی تھی۔

کافی اور باسی پارچوں کے سینڈویچ کھا کر اس نے سگار سلگایا اور ایک چٹان سے نکل کر ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

افق میں پھیلی ہوئی سرخیوں سے سورج ابھر رہا تھا۔ پہلی کرن فریدی کو اپنی روح کی گہرائیوں میں اترتی محسوس ہوئی ایک عجیب قسم کی لذت آمیزی لہر اس کے جسم میں دوڑتی پھر رہی تھی۔ شبنم سے بھیگی ہوئی ٹھنڈی چٹان پر اس نے اپنا داہنا گال رکھ دیا۔ اب خنکی تکلیف دہ نہیں رہ گئی تھی۔ وہ اونگھنے لگا لیکن یہ کیفیت اشتعال کا نتیجہ نہیں تھی۔ بلکہ کئی دن بعد اسے سگار نصیب ہوا تھا۔ ایسی صورت میں پتھر کا آدمی بھی اونگھنے لگتا۔ لیکن اس کا ذہن اب بھی اس کے قابو میں تھا۔ صرف اتنا تھا کہ تھکن دور کرنے کے لئے اس نے اسے آزاد چھوڑ دیا تھا۔

دفعۃً اس نے کسی کے دوڑنے کی آواز سنی اور کسی اونگھتے ہوئے درندے کی طرح چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے قریب ہی کہیں بڑے بڑے پتھر لڑھک رہے ہوں۔

اس نے چٹانوں کی اوٹ سے سر نکال کر آواز کی طرف دیکھا۔ نشیب میں ایک آدمی دوڑا جا رہا تھا اور اس کے پیچھے بڑے بڑے پتھر لڑھک رہے تھے۔

پھر ایک اور آدمی چپتا چنگھاڑتا ہوا ایک طرف سے نمودار ہوا۔ حیرت سے فریدی کے ہونٹ کھل گئے۔ یہ قاسم تھا اور نشیب میں بڑے بڑے پتھر لڑھکا رہا تھا۔

نشیب میں دوڑنے والے نے بھی اب ایک چٹان کی اوٹ لے کر اوپر کی طرف پتھراؤ کرنا

شروع کر دیا تھا۔

”میں تمہیں مار ڈالوں گا سالے۔“ قاسم حلق پھاڑ کر دھاڑا اور لفظ ”سالے“ کو اس وقت تک کھینچتا رہا جب تک کہ آواز حلق میں گھٹ کر نہیں رہ گئی۔

”میں تمہیں پتھر مار مار کر پھنسا ہوا تربوز بنا دوں گا۔“ نیچے سے آواز آئی اور چھوٹے چھوٹے پتھر بھی برابر آتے رہے۔

ایک بیک فریدی کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی اور اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے حمید کی آواز صاف پہچان لی تھی۔

”اس نے جلدی جلدی سارا سامان سمیٹ کر تھیلے میں ٹھونسا اور نیچے اترنے لگا۔

دفعتاً قاسم کی نظر اس پر پڑی اور وہ جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ وہ فریدی کو پہچان نہیں سکا تھا۔ پتھر دھکیلتے دھکیلتے رک کر سیدھے کھڑے ہوتے ہوئے اس نے عجیب انداز میں پلکیں جھپکائیں اور فریدی نے کہا۔ ”میں تمہیں گولی مار دوں گا۔“

”قیوں.....!“ قاسم نے بھاڑ سامنے پھاڑ دیا۔

”تم سرکاری پتھر برباد کر رہے ہو۔ میں ان کا محافظ ہوں۔“

”سرکاری تو اب چٹنی بنے گی..... بہت جلد۔“ قاسم اسے گھونہ دکھا کر بولا۔

”تم باغی معلوم ہوتے ہو۔“

”ہاں میں باغی ہوں..... جاؤ اپنا راستہ نا پور نہ..... دیکھ لوں گا تمہیں بھی۔“

فریدی نے کاندھے سے رائفل اتاری۔ میگزین درست کی اور قاسم کے سر کا نشانہ لے کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بھی شاید مذاق ہی کے موڈ میں تھا۔

”ارے..... ارے.....!“ قاسم بوکھلا کر پیچھے ہٹا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں فائر ہوا اور قاسم کی فلت ہیٹ اڑ گئی۔

”ارے باپ رے۔“ قاسم کی بے ساختہ قسم کی چیخ چٹانوں سے ٹکرا کر دور تک پھیلتی چلی گئی۔

وہ چاروں شانے چت گرا تھا اور اس طرح اپنا سر ٹٹول رہا تھا جیسے وہ سچ مچ اس کے جسم سے الگ ہو گیا ہو۔

”خبردار.....!“ فریدی ہنسی ضبط کرتا ہوا بولا۔ ”چپ چاپ پڑے رہنا ورنہ سچ مچ دوسری دنیا

کے سفر پر روانہ کر دیئے جاؤ گے۔“

قاسم بے حس و حرکت پڑا رہا۔ دفعتاً ایک پتھر کا ٹکڑا راقل کے کندے سے ٹکرایا غالباً نشانہ اس کے ہاتھ کا لیا گیا تھا۔ مگر اندازے کی غلطی نے اسے کامیاب نہیں ہونے دیا تھا۔

فریدی نے نشیب میں چھلانگ لگائی اور حمید ایک پتھر کی اوٹ سے اچھل کر بھاگا۔
”ٹھہرو.....!“ فریدی نے اسے للکارا۔ ”ورنہ گولی مار دوں گا۔“

حمید رک گیا اور اس کی طرف مڑ کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھادیئے۔

”تم لوگ سرکاری پتھر برباد کر رہے ہو۔“ فریدی نے کہا۔

”تم کون ہو.....؟“ حمید نے پوچھا۔

”سرحد کا نگہبان۔“

”تو پیارے سرحد کے نگہبان تم نے ایک سرکاری آدمی کو خواہ مخواہ مار ڈالا۔ تمہیں اس کے لئے

جواب دہ ہونا پڑے گا۔“

”اوپر چلو..... تم دونوں کی ااشیں ایک ہی جگہ سے اٹھوانے میں زیادہ آسانی ہوگی۔“

”میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔“

”یہ ثابت کرنے کے لئے تمہیں میدان حشر میں کافی وقت ملے گا..... اوپر چلو۔“

حمید ہاتھ اٹھائے ہوئے چپ چاپ چلنے لگا۔ قاسم تک پہنچنے میں دیر نہیں لگی۔ وہ اب بھی اسی سطح چٹان پر چت پڑا کسی خوف زدہ پرندے کی طرح پلکیں جھپک رہا تھا۔

”قاسم..... تم زندہ ہو۔“ حمید نے اُسے آواز دی۔

”غاں.....!“ قاسم اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہہ سکا۔

”تم بھی کھڑے ہو جاؤ۔“ فریدی نے قاسم سے حکمانہ لہجے میں کہا۔

قاسم اٹھنے کے لئے ہاتھ پیر مارنے لگا۔ لیکن اٹھ نہ سکا۔

”تم اس کی مدد کرو۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید اسے اٹھانے کے لئے جھکا اور بڑی دقت سے کامیاب ہو سکا۔ اب وہ دونوں اپنے ہاتھ

اوپر اٹھائے کھڑے تھے۔

”تم دونوں کیوں لڑ رہے تھے۔“ فریدی نے سوال کیا۔

”مم..... خدا..... کار رہے تھے۔“ قاسم ہکھلایا۔

”تم بتاؤ۔“

”بکواس مت کرو۔“ حمید نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ ”اگر تم نے ہمیں کوئی گزند پہنچایا تو تمہیں اس کے لئے بھگتنا پڑے گا۔“

”کچھ نہیں..... میرے صرف دو کارتوس خرچ ہوں گے اور اگر تم دونوں ایک دوسرے سے

لیٹ کر کھڑے ہو جاؤ تو ایک ہی سے کام چل جائے گا۔ چلو شابش۔“

”شش..... شابش.....!“ قاسم بوکھلائے ہوئے انداز میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

حمید نے یک یک قاسم کے پیچھے جا کر اس کی کمر پکڑ لی اور اسے فریدی کی طرف دھکیلنے لگا۔

اس طرح کہ خود اس کے پیچھے مکمل طور پر چھپ گیا تھا۔

”اس سے کیا فائدہ.....!“ فریدی مسکرایا ”میں ایک شرط پر تم دونوں کو معاف کر سکتا ہوں۔“

”جالدی بتاؤ شرط۔“ قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”تم دونوں آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑانہ کرنے کا وعدہ کرو۔“

”قیوں.....!“

”قیوں.....؟“ فریدی مسکرایا۔ ”وعدہ کرو..... ورنہ.....!“

اس نے پھر رائفل سیدھی کر لی اور قاسم بوکھلا کر چیخا۔ ”وعدہ..... وعدہ۔“

فریدی نے رائفل نیچے جھکا دی۔ حمید جو اسے کینہ توڑ نظروں سے دیکھ رہا تھا اب بھی نہ پہچان

سکا۔

”تم لوگ کہاں جا رہے تھے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”رام گڈھ.....!“ قاسم نے جواب دیا۔

”چلو میں بھی وہیں جا رہا تھا۔“

”پیدل.....!“ قاسم نے برجستہ سوال کیا۔

”ہاں پیدل..... کیوں۔ یہاں سے ہمیں صرف بیس میل تک پیدل چلنا پڑے گا۔“

”ارے باپ رے۔“ قاسم سر پکڑ کر بیٹھ گیا لیکن زیادہ دیر تک نہیں بیٹھ سکا کیونکہ تو ندیس

زیادہ دیر تک اکڑوں بیٹھنے سے وبال جان ہو جاتی ہیں۔ قاسم کے ڈیل ڈول کی مناسبت سے اسے

تو نہ نہیں کہا جاسکتا تھا لیکن اگر کسی ہاتھی کے لئے اکڑوں بیٹھنا ممکن ہوتا تو قاسم کو ذرہ برابر بھی اس کی پرواہ نہ ہوتی۔ بہر حال وہ پھر کھڑا ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ شیب میں اتر رہے تھے۔

”تم لوگ یہاں کیا کر رہے تھے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”سلاجیت ڈھونڈنے نکلے تھے۔“ حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ”ہم لوگ سلاجیت کی آڑھت کرتے ہیں۔ تم نے اس دیو سے میرا پیچھا چھڑا کر مجھے ہمیشہ کے لئے ایک شیشی میں بند کر لیا ہے۔ لہذا میں تمہیں ازراہ تشکر اصلی سلاجیت استعمال کرنے کا مشورہ دوں گا اگر دوسری جگہ نہ ملے تو میری دوکان کا پتہ یاد رکھنا۔ لٹم پشٹم میڈیکل ہال..... فائدہ نہ ہونے کی صورت میں ایمان دھرم سے لکھ دینے پر آدمی قیمت واپس۔ میں کویراج وسید راج فلاں فلاں کا شاگرد رشید ہوں۔“

”اماں کیا بے پرکی اڑا رہے ہو۔“ قاسم منہ بنا کر ہنسا۔

فریدی خاموشی سے چلتا رہا۔ وہ ان پہاڑیوں سے نکل جانے سے پہلے اپنا میک اپ نہیں بگاڑنا چاہتا تھا۔

فریدی کے رویے کی بناء پر حمید کو یقین آ گیا تھا کہ یہ انہیں لوگوں میں سے ہے جنہوں نے کچیل رات اسے اور قاسم کو بے ہوش کر کے زمین دوز دنیا سے باہر نکال دیا تھا۔ قاسم سے پہلے ہی اسے ہوش آ گیا تھا اور حمید اب سوچ رہا تھا کہ اگر قاسم کو اس سے پہلے ہوش آیا ہوتا تو شاید خود اسے ہوش میں آنے کا موقع کبھی نہ نصیب ہو سکتا کیونکہ قاسم آنکھیں کھولتے ہی اس پر جھپٹ پڑا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید حمید ہی اسے اس زمین دوز جنت سے نکال لایا ہے۔ حالانکہ وہ پہلے ہی حمید پر واضح کر چکا تھا کہ وہ وہاں سے نہیں نکلنا چاہتا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس کا چھ لاکھ کا بینک بیلنس صاف ہو گیا تھا جس کی صفائی اس کے باپ کو یقینی طور پر گراں گذرتی اور وہ اس کے عیوض اس کے گوشت پر سے کھال صاف کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ اب بھی بلا تکلف ہنر لے کر قاسم پر پل پڑتا تھا اور ایسے مواقع کے متعلق قاسم کا خیال تھا کہ اسے سوئک کی گنتی بھی نہیں یاد آتی۔

وہاں سے نکلنے پر آمادگی ظاہر نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ وہاں کئی ٹکڑی ٹکڑی لڑکیاں اس سے خاصی بے تکلف ہو گئی تھیں۔

حمید نے چلتے چلتے ایک بار پھر اپنے اجنبی ساتھی پر قہر آلود نظر ڈالی اور خون کے گھونٹ پی کر رہ

گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب یہ آدمی ہمیشہ اس کے سر پر مسلط رہے گا۔ یہ بات قرین قیاس بھی تھی کیونکہ وہ لوگ جو اس پر ایک نئے قسم کا تجربہ کر چکے تھے نتائج سے آگاہ ہوتے رہنے کے لئے کسی نہ کسی کو اس کے پیچھے ضرور لگائیں گے۔

وہ تجربہ بڑا عجیب و غریب تھا لیکن ڈاکٹر زبیری نے اسے یقین دلادیا تھا کہ حقیقتاً وہ سب کچھ ایک ڈھونگ ہی ہوگا کیونکہ وہ تجربہ ڈاکٹر زبیری ہی کو کرنا تھا۔ وہ تجربہ عجیب و غریب اس لئے تھا کہ ذہن پر زور دینے کے باوجود بھی حمید کو اس کی تفصیل یاد نہ آئی۔ اس کے ذہن میں اس سے متعلق اس قسم کی کوئی غلطی بھی نہیں پائی جاتی تھی، جو اکثر کسی بھولے ہوئے خواب کو یاد کرتے وقت پیدا ہو جاتی ہے۔

بہر حال اس کے فرشتوں کو بھی اس تجربے کی نوعیت کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ ویسے ڈاکٹر زبیری کے بتائے ہوئے پروگرام کے مطابق خود کو نیلے آسمان کے نیچے پا کر اس نے سوچا تھا کہ وہ اس تجربے کے بعد ہی وہاں سے نکالا گیا ہوگا۔ ڈاکٹر زبیری نے اسے تاکید کر دی تھی کہ وہ خواہ کچھ بھی کرے اسے بعض اوقات اس قسم کی حرکتیں بھی کرنی پڑیں گی جو اس کے بدلے ہوئے نظریات کی ترجمانی کر سکیں۔ اس کی اسی بات سے حمید نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ لوگ بہت قریب سے اس کی نگرانی کریں گے۔

حمید چپ چاپ چلتا رہا۔ وہ آئندہ کے لئے اپنا پروگرام مرتب کر رہا تھا۔ اکثر اسے اپنی بے بسی پر ہنسی بھی آنے لگتی۔ لیکن بے بسی پر ہنسی آنے سے حالات نہیں بدلا کرتے۔ اسے ہر حال میں جم کر مقابلہ کرنا تھا۔ دفعتاً اُسے فریدی یاد آ گیا۔ یہ نہیں وہ کہاں اور کس حال میں ہوگا اگر حمید کا بس چلتا تو وہ اس کے لئے زمین و آسمان ایک کر دیتا۔ بعض اوقات اس کے ذہن میں بُرے خیالات بھی چکرانے لگتے اور وہ یہ سوچ کر لرز جاتا کہ کہیں فریدی ان کی گولیوں ہی کا شکار نہ ہو گیا ہو۔

مگر اب..... بظاہر اسے فریدی کا دشمن بننا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ملاقات ہونے پر وہ اسے اس سے آگاہ کرے یا نہ کرے۔

”ہا..... ہہ ہہ۔“ دفعتاً قاسم نے چلتے چلتے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ وہ چل نہیں بلکہ لڑھک رہا تھا۔ کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا جیسے اب گری پڑے گا۔ ایسے موقع پر اس کے حلق سے بیک وقت کئی طرح کی آوازیں نکلتیں۔

تھوڑی دیر بعد خاموشی حمید کو کھلنے لگی۔ بہت دنوں بعد اسے کھلی فضا ملی تھی اور پھر قاسم ساتھ تھا۔ ایسی صورت میں واپسی کے سفر کا سوگوار انداز گراں گزرنے لگا۔

”وہ..... ثلثی بالا..... مجھے بے حد یاد کرتی ہوگی۔“ اس نے قاسم سے کہا۔

”تمہاری ایسی کی تھی۔“ قاسم جھلائے ہوئے انداز میں رک گیا اور پھر دہاڑا۔ ”میں تمہیں بھوسہ بنا دوں گا۔“

”ہائیں..... ہائیں..... پھر شروع کر دیا تم لوگوں نے۔“ فریدی دونوں کو گھورنے لگا۔

”یہ کیوں اپنی ثلثی خالہ کا نام لے رہا ہے۔“ قاسم پھر دہاڑا۔

”خالہ تو وہ تمہاری ہے بھانجے۔“ کچلی رات وہ میرے کمرے میں رہی تھی۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔

”تمہارے باپ کے بھی کمرے میں نہیں رہ سکتی۔“ قاسم نے حمید پر دو ہتھوڑ چلایا اور حمید اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ نتیجہ قاسم کو اوندھے منہ زمین پر چلا آنا پڑا

اور پھر وہ فریدی کی طرف دیکھ کر بلبلایا۔ ”مارو..... گولی..... سالے کو..... اسی نے چھیڑا تھا۔“

”میں سچ مچ گولی مار دوں گا۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

”میں تم سے کمزور نہیں ہوں دوست۔“ حمید نے اکڑ کر جواب دیا۔ ”مجھے کسی چٹان کی اوٹ

لینے دو۔ پھر تمہاری گولیاں اور میرے پتھر۔“

”نہیں..... تم اسے پکڑ کر میرے حوالے کر دو۔“ قاسم نے فریدی سے ملتانہ انداز میں کہا۔

”میں اس کی طرح اچھل کود نہیں کر سکتا اور نہ خود ہی پکڑ لیتا۔“

فریدی کو ہنسی آگئی اور قاسم جھلاہٹ میں اسے منہ چڑھانے لگا۔

”یہ ثلثی بالا کون ہے۔“ اس نے پوچھا۔

”میری محبوبہ.....!“ حمید جلدی سے بول پڑا۔

”تیرے باپ کی محبوبہ ہے۔“ قاسم حلق پھاڑ کر چیخا اور اسے کھانسی آنے لگی۔ ثلثی بالا وہی

موٹی عورت تھی جس کیلئے ایک بار زمین دوز دنیا میں بھی ان دونوں نے خاصی ہڑبولگ مچائی تھی۔

”میرے باپ کی نہیں..... میری محبوبہ ہے۔“ حمید نے پھر کہا۔

اور قاسم دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹنے لگا۔ بال نوچنے لگا۔ فریدی ایک بڑے پتھر پر بیٹھ گیا

تھا۔ قاسم اور حمید ایک دوسرے سے الجھتے رہے۔ قاسم شاید بہت تھک گیا تھا۔
 اس لئے اس کی صرف زبان ہی چل رہی تھی۔ یک بیک وہ خاموش ہو کر اپنا منہ چلانے لگا۔
 کیونکہ اس نے فریدی کو سینڈوچ کھاتے دیکھ لیا تھا۔
 حمید کو اس کی اس حرکت پر ہنسی آگئی اور وہ جھینپے ہوئے انداز میں اسے پھر برا بھلا کہنے
 لگا..... اور فریدی مسکرا کر بولا۔

”تمہارے لئے کم از کم دس سیر سینڈوچوں کی ضرورت پیش آئے گی۔ اتنے میرے پاس نہیں
 ہیں۔“

”نہیں تم خاؤ۔“ قاسم ایک طرف منہ پھیر کر تھوک کی پچکاری مارتا ہوا بولا۔
 ”اور تم.....!“ فریدی نے حمید کی طرف دیکھا۔
 ”میں جفتے میں ایک بار کھا لیتا ہوں۔“

”نہیں..... تم دو سینڈوچ لو گے ورنہ میں تمہیں گولی مار دوں گا۔“
 ”تم اسے صرف ایک سینڈوچ دے کر چار بار گولی مار سکتے ہو۔“ حمید نے قاسم کی طرف
 اشارہ کر کے کہا۔ ”اسے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔“

قاسم نے اس بار جھلا کر ایک بہت بڑا پتھر حمید پر کھینچ مارا اور وہ بال بال بچا۔
 فریدی بڑی مشکل سے اس ہڑبونگ پر قابو پاسکا۔ اس کے لئے اسے سارے سینڈوچ بچی کھچی
 کافی قاسم کے حوالے کرنی پڑی۔ بہر حال اس سے اتنا ہوا کہ قاسم کا چڑچڑاپن کسی حد تک دور ہو گیا
 اور وہ پھر چل پڑے۔ رام گڈھ والی سڑک پر پہنچ کر وہ پھر سستانے کے لئے رکے۔ دراصل قاسم
 پیدل چلنے کے معاملے میں صفر تھا۔ صفر نہیں بلکہ پہاڑ کہنا چاہئے۔

کچھ دیر سستانے کے بعد وہ پھر چلے اور شاندا ب تقدیر ان پر مہربان ہو گئی تھی کیونکہ تھوڑی ہی
 دور چلنے پر انہیں ایک ایسا ٹرک دکھائی دیا جس میں کوئی نقص پیدا ہو گیا تھا اور ڈرائیور انجن پر جھکا ہوا
 اسے ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

فریدی اس سے پوچھ گچھ کرنے کے لئے رکا..... اور ڈرائیور کی ایماء پر وہ بھی اس کا ہاتھ
 بٹانے پر تیار ہو گیا۔ انجن کے درست ہونے میں دس منٹ سے زیادہ نہیں صرف ہوئے۔ ٹرک
 ڈرائیور رام گڈھ ہی جا رہا تھا۔ ڈرائیور نے بڑی خندہ پیشانی سے انہیں رام گڈھ تک کے سفر کی

اجازت دے دی۔

فریدی حمید کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے بے چین تھا لیکن نہ جانے کیوں اس نے خود کو ظاہر نہیں کیا اور اب وہ اس طرح خاموش تھا جیسے اُن دونوں سے واقف ہی نہ ہو۔ البتہ حمید اسے رہ رہ کر گھورنے لگتا تھا۔ مگر اسی خیال کے تحت کہ وہ انہیں مجرموں میں سے ہو سکتا ہے جنہوں نے اُسے زمین دوز دنیا کی سیر کرائی تھی۔

دفعتاً فریدی نے حمید سے کہا۔ ”میں تم لوگوں کی طرف سے مطمئن ہوں، لیکن ضابطے کی خانہ پری تو کرنی ہی پڑے گی۔“

”یعنی.....!“

”میں تمہیں اپنے ساتھ کو توالی لے جاؤں گا اور تمہیں وہاں اپنا بیان درج کرانا پڑے گا کہ تم وہاں کیا کر رہے تھے۔ مگر اس موٹے کو وہاں نہ لے جانا ورنہ وہ کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے گا جو پولیس کی نظر میں یقیناً مشتبہ ہوگی۔ کیا یہ پاگل ہے؟“

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کی جرات پر صرف عیش عیش کرتا رہا۔ ویسے اس نے اس کے مشورے سے اختلاف نہیں کیا۔ شہر پہنچ کر اس نے قاسم کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ روجی کے گھر چلا جائے جہاں نو شاہ اس کے عشق میں ہتھنی ہو گئی ہوگی۔ قاسم کے لئے اس سے بہتر اور کیا مشورہ ہوتا وہ بے چوں و چرا راضی ہو گیا۔

فریدی حمید کو ایک ریسٹوران میں لایا۔

”کیا یہ کو توالی ہے۔“ حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

”نہیں فرزند.....!“ فریدی نے اپنے اصل لہجے میں کہا اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا سر گردن سے علیحدہ ہو کر فضا میں تاپنے لگا ہو۔

”آپ.....!“ اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا اور اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

”ہاں..... میں۔“

”یقین نہیں آتا۔“

”یہی حال میرا بھی ہے۔“

پھر ذرا سی دیر میں حمید نے کسی حیرت زدہ بچے کی طرح زمین دوز دنیا کی ”الف لیلیٰ“ چھیڑ

دی لیکن اسے یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ فریدی کے چہرے پر استعجاب کے آثار نہیں ہیں۔ پوری کہانی سن لینے کے بعد اس نے اتنا ہی کہا کہ اسے ان واقعات میں اُسی تنظیم کی جھلک پہلے بھی نظر آئی تھی۔ اپنے متعلق حمید کو اس سے زیادہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کسی نہ کسی صورت سے بچ نکلا تھا۔ وادی کراغال کے تجربات کا تذکرہ نہیں کیا۔

”مگر جناب.....!“ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”مجھے توقع نہیں ہے کہ اس بار ہمیں کامیابی

ہو۔“

”مایوسی میرے مذہب میں حرام ہے۔“

”خیر چھوڑیے..... اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔“

”تہمیں.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”انہیں مایوس نہ کرنا چاہئے۔ وقتاً فوقتاً ان کی

توقعات پوری کرتے رہنا۔“

”یعنی.....!“

”فریدی پر ناکام حملے۔“

”گویا آپ ان کے مقابلے میں شکست کا اعلان کر رہے ہیں۔ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ آپ اس

تجویز پر مجھے گولی مار دیں گے۔“

”نہیں..... تم اسی طرح میرے کام آؤ گے جس طرح وہ لوگ چاہتے ہیں..... اچھا دیکھو اب

یہاں فی الحال تین آدمی ہماری لسٹ پر ہیں۔ سردار شکوہ..... ڈاکٹر سلمان اور دلکشا کا نیجر۔ سردار شکوہ

اور نیجر تو مجھے معمولی قسم کے ایجنٹ معلوم ہوتے ہیں لیکن ڈاکٹر سلمان۔“

”اب تو مجھے روجی پر بھی شبہ ہو رہا ہے۔“ حمید بڑبڑایا۔

فریدی نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ ریسٹوران کے باہر دیکھ رہا تھا جہاں فٹ پاتھ پر ایک

ادھیڑ عمر کا آدمی کھڑا اپنی انگلیوں کی پوروں پر کسی چیز کا شمار کر رہا تھا۔

مرمت

فریدی اُسے دیکھتا رہا۔ دفعتاً حمید کی نظر بھی اُس طرف اٹھ گئی اور وہ ادھیڑ عمر آدمی نہ جانے کیوں اسے جانا پہچانا سا معلوم ہونے لگا۔ اس کے ذہن میں کچھ اسی قسم کی خلش پیدا ہو گئی جیسے کوئی بھولا ہوا خواب یاد آتے آتے رہ جائے..... اس کی آنکھیں..... وہ جانی پہچانی سی تھیں۔

”میں اب ریلو میں قیام کروں گا۔“ فریدی حمید کی طرف مڑا اور اُسے بھی اسی فٹ پاتھ والے آدمی کی طرف دیکھتا پا کر مسکرایا۔

”کیوں..... تم اسے گھور رہے ہو جب کہ اس کی توجہ ہماری طرف نہیں ہے۔“

”اوہ.....!“ حمید چونک پڑا پھر آہستہ سے بولا۔ ”اسکی آنکھیں کچھ جانی پہچانی سی ہیں۔“

”ہیں نا..... مگر مجھے حیرت ہے کہ تم صرف آنکھوں ہی تک محدود رہے اس کے ہاتھوں پر غور کرو..... داہنے ہاتھ کا انگوٹھا۔“

”اوہو..... کیا انور..... یہ یہاں کیا کر رہا ہے۔“ حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔ ”کیا آپ نے اسے بھی بلالیا ہے۔“

”نہیں..... مجھے اس کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔ خیر اچھا تو اب میں تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ تم روجی کے پاس جاؤ اور وہیں قیام کرو۔“

”تو کیا آپ بھی اُس پر شبہ کر رہے ہیں۔“

”نہیں ابھی اس کی ضرورت پیش نہیں آئی۔“

”لیکن اسے ذہن میں ضرور رکھئے گا کہ موجودہ طاقت کوئی عورت ہے۔“

”عورت بجائے خود ایک بہت بڑی طاقت ہے۔ اتنی بڑی کہ مرد پیدا کرتی ہے۔“ فریدی مسکرایا۔

”اچھی بات ہے..... میں جا رہا ہوں۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔

”جاؤ..... میں تمہیں فون کروں گا اور اپنا فون نمبر بھی بتاؤں گا۔“

حمید جیسے ہی باہر نکلا ادھیڑ عمر آدمی اس کے پیچھے لگ گیا۔ فریدی نے بیرے کو طلب کر کے دام

چکائے اور وہ بھی رستوران سے اٹھ کر اسی سمت چل پڑا جدھر وہ دونوں گئے تھے۔ حمید ٹیکسیوں کے اڈے پر پہنچ کر شاید روجی کی کوٹھی تک پہنچنے کا انتظام کرنے لگا تھا۔ فریدی نے تعاقب کرنے والے کو بھی ایک ٹیکسی میں بیٹھنے دیکھا اور اس نے رفتار تیز کر دی۔ ٹیکسی اشارٹ ہو چکی تھی۔ لیکن اس کے حرکت میں آنے سے پہلے ہی فریدی ادھیڑ آدمی کے برابر پچھلی نشست پر تھا۔

ڈرائیور نے مڑ کر دیکھا۔

”کلل بالا.....!“ فریدی نے برجستہ کہا اور ادھیڑ آدمی اسے گھورنے لگا۔ حمید کی ٹیکسی سڑک پر نکل کر آگے بڑھ گئی تھی۔

”کیا مطلب.....!“ ادھیڑ آدمی جھلا گیا۔

”نہیں بر خوردار.....!“ فریدی مسکرایا۔ ”حمید کا تعاقب کرنے سے کیا فائدہ۔ خدا کی زمین بہت وسیع ہے..... اور ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں۔“

”اوہ..... تو یہ آپ ہیں۔“ انور کے لہجے میں حیرت تھی۔

”میں نہ ہوتا تو تمہیں پہچانتا کون۔“ فریدی نے کہا اور ڈرائیور کو پھر کلل بالا چلنے کی ہدایت کی۔

اس بار انور نے بھی اس کا ساتھ دیا اور کار سڑک پر فرمائے بھرنے لگی۔

”مگر..... تم.....!“ فریدی نے انور سے کہا۔ ”یہاں کیوں نظر آ رہے ہو۔“

”اپنے ایک موکل کے لئے۔“ انور نے جواب دیا۔

”لیکن حمید کا اُس سے کیا تعلق.....!“

”میرے موکل کا یہی خیال ہے کہ اُسکے معاملات کا تعلق حمید ہی کی ذات سے ہو سکتا ہے۔“

”قاسم کا معاملہ تو نہیں۔“

”آپ ٹھیک سمجھے۔ میں اس کی بیوی کے لئے کام کر رہا ہوں۔ وہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ یک

یک قاسم کا بینک بیلنس کیسے صاف ہو گیا۔ چھ لاکھ کی رقم معمولی نہیں ہوتی۔“

”اس سلسلے میں تم نے کیا معلوم کیا۔“

”یہی کہ وہ دونوں فلم اشار روجی کے یہاں مقیم تھے۔“ انور نے جواب دیا۔

”اور قاسم نے ساری رقم روجی پر خرچ کر دی۔“ فریدی مسکرایا۔

”میں اتنی جلدی نتائج اخذ کرنے کا عادی نہیں ہوں اور پھر مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ کچھ

نامعلوم آدمی قاسم کو زبردستی پکڑ لے گئے تھے۔“

”میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ اس چکر میں نہ پڑو۔“ فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”اگر تم نے یہ معلوم بھی کر لیا کہ اس نے چھ لاکھ کہاں گنوائے ہیں تو اس پر کسی کو یقین نہیں آئے گا۔“

”کیوں.....؟“

”طاقت کی تنظیم پھر جاگ پڑی ہے۔“

”نہیں.....!“ انور متحیر نظر آنے لگا۔

”ہاں..... اور اس بار کی رپورٹیں پہلے سے کہیں زیادہ تشویش ناک ہیں۔“

”ٹھہریئے..... مگر قاسم کے چھ لاکھ سے اس کا کیا تعلق۔“

”ہر تنظیم کی ریڑھ کی ہڈی روپیہ ہوتا ہے..... لہذا یہ تنظیم بھی اس کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتی۔“

مگر چونکہ یہ ایک خفیہ تنظیم ہے اس لئے کھل کر سامنے نہیں آ سکتی۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں اس کے مالی وسائل غیر قانونی ہی ہوں گے۔ وہ لوگ قاسم کو پکڑ لے گئے..... اسے کچھ دنوں تک اپنے ساتھ رکھا۔ اس کے معیار کی عورتیں پیش کیں اور سادہ چیکوں پر دستخط لیتے رہے اور پھر..... اُسے دھکا دے دیا۔“

”میں نہیں سمجھا.....!“

”اب وہ تمہیں پھر روحی کی کوشی میں ملے گا۔“

”اوہ.....!“

”اسی لئے میرا مشورہ ہے کہ تم اس چکر میں نہ پڑو۔ اس کی بیوی اس داستان پر ہرگز یقین نہیں کرے گی۔ تم اسے کسی طرح یہ بات نہ سمجھا سکو گے کہ بینک بیلنس کی اس صفائی میں روحی کا ہاتھ نہیں ہے۔“

انور کسی سوچ میں پڑ گیا..... کارکنل بالا والی سڑک پر رینگ رہی تھی۔ کنل بالا کافی بلندی پر واقع تھا۔

”کیا قاسم ان لوگوں کی نشان دہی نہیں کر سکتا۔“

”حشر تک نہیں..... شاید حمید بھی نہ کر سکے، جو ان لوگوں میں کچھ دن گزار آیا ہے۔“

”وہ کس طرح۔“

فریدی نے اسے اتنا ہی بتایا تھا جتنا ضروری سمجھا۔ اپنے کراغال جا پہنچنے کا تذکرہ اس سے بھی نہیں کیا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ ”اب تم میرے لئے بھی تھوڑا سا کام کرو۔“

”فرمائیے۔“

”کل صبح یہاں سے جہاز جائے گا..... تم واپس جاؤ..... اور میرا کچھ سامان لے کر جہاز ہی سے واپس آ جاؤ۔“

”لیکن قاسم کی بیوی سے کیا کہوں گا۔“

”میں نہیں چاہتا کہ یہ بات اپنی اصلیت سمیت پھیلے۔ تم اسے یہی سمجھنے دو کہ روجی نے قاسم کو ٹھگ لیا۔ مگر ٹھہرو..... کیا اُسے علم ہو گیا ہے کہ وہ روجی کے یہاں مقیم تھا۔“

”نہیں میں نے ابھی تک اسے رپورٹ نہیں دی۔ ویسے اُسے اس کا علم ہے کہ وہ حمید کے ساتھ یہاں آیا تھا۔“

”تم اس سے کہہ سکتے ہو کہ وہ دونوں رام گڈھ میں نہیں ملے۔“

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بڑبڑایا۔ ”مگر کہیں ماتھر نے اس کے باپ کو اس کی گمشدگی کی اطلاع نہ دے دی ہو۔“

”آپ ماتھر سے کب سے نہیں ملے۔“

”کئی دن گزرے..... خیر ہٹاؤ۔ تم اس سے کہہ سکتے ہو کہ تمہیں کامیابی نہیں ہوئی۔“

”کل بالاپہنچ کر ڈرائیور نے پوچھا۔ ”کہاں لے چلوں۔“

”شکوہ محل.....!“ فریدی نے جواب دیا۔ ”ہم واپس بھی جائیں گے۔“

انور نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”اس ڈاڑھی میں آپ مہذب لباس میں ہونے کے باوجود بھی کسی غیر مہذب قبیلے کے فرد معلوم ہوتے ہیں۔“

”میں تمہاری ذہانت کا پہلے ہی قائل ہوں۔“ فریدی مسکرایا۔ ”ہاں یہ میک اپ ایک قبائلی ہی کا ہے۔“

شکوہ محل ایک چھوٹی سی خوبصورت عمارت تھی۔ ایسی چھوٹی بھی نہیں تھی لیکن لفظ ’محل‘ کے ساتھ ایک اچھا خاصہ مسخر اپن ضرور تھی..... کار پھانک پر رک گئی۔

”تم میرا انتظار کرو گے۔“ فریدی نے انور سے کہا۔ ”بلکہ بہتر تو یہ ہوگا کہ گاڑی یہاں سے

کچھ دور کھڑی کراؤ۔“

وہ نیچے اتر کر پھانگ میں داخل ہو گیا۔ فی الحال وہ صرف اس بات کا اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ سردار شکوہ کس قسم کا آدمی ہے۔ اس کے لئے اس نے سوچا تھا کہ وہ خود کو روجی کا نیا باڈی گارڈ ظاہر کر کے اُس تک اس کا کوئی اوٹ پٹانگ پیغام پہنچائے گا..... اس طرح وہ اس کا رد عمل بھی دیکھ سکے گا۔

سردار شکوہ گھر ہی پر موجود تھا۔ فریدی نے ایک نوکر سے کہلویا کہ روجی کا آدمی اس سے ملنا چاہتا ہے پھر وہ جلد ہی اندر بلوایا گیا۔ لیکن سردار شکوہ اُسے دیکھتے ہی بے ساختہ چونک پڑا۔

”تم..... تم.....“ وہ اس کی طرف انگلی اٹھا کر ہکلا یا۔ اور تھوک نگل کر رہ گیا۔ اُس کے اس رویہ پر فریدی کو حیرت ضرور ہوئی لیکن اپنے چہرے سے اس کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ سردار شکوہ کی اس بوکھلاہٹ کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔

”روجی خانم..... بولے..... شام..... اس کو..... مل جاؤ۔“ فریدی نے کسی غیر ملکی کی طرح اردو بولنے کی کوشش کی۔ لہجہ قبائلیوں کا سا تھا۔

”تم کون ہو۔“ سردار شکوہ کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

”اس کا نوکر۔“

”بیٹھ جاؤ۔“ سردار شکوہ نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ”تم کب سے ہو..... اُس کے یہاں۔“

”آج سے۔“

”روجی کے گھر کون کون ہے۔“ سردار شکوہ نے اس انداز میں پوچھا، جیسے اس کا امتحان لے رہا ہو۔

”ایک موٹا عوریت..... ایک موٹا مرد..... ایک بالکل مرد..... جیسا ہم بالکل مرد..... جیسا تم بالکل مرد۔“

”تم کس قبیلے سے ہو۔“

”کس واسطے بتائے۔ نہیں بتائے گا۔“ فریدی نے جھٹلے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

اچانک سردار شکوہ نے ریوالور نکال کر اس کا رخ فریدی کی طرف کرتے ہوئے کراغالی زبان میں کہا۔ ”اگر تم پہلے بچ بھی گئے تھے تو اب نہیں بچ سکتے۔“

بڑی خلاف توقع بات تھی۔ فریدی اس کیلئے تیار نہیں تھا اُسے وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ رام گدھ میں کوئی اُسے کراغالی زبان میں مخاطب کرے گا اُس نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔

”کراغالیوں کا داخلہ یہاں سرکاری طور پر ممنوع ہے۔“ سردار شکوہ مسکرا کر بولا۔

”اگر تم تمہیں گولی مار کر شارع عام پر بھی ڈال دوں تو کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا..... سمجھے۔“

”مگر تم ایسا نہیں کر سکو گے۔“ فریدی نے کراغالی ہی میں جواب دیا اور لہجے کی خامی چھپانے

کے لئے بڑی شد و مد سے کھانسنے لگا۔ پھر کھانستے کھانستے اُسے دوہرا ہو جانا پڑا۔ سردار شکوہ کا ذہن اس کی کھانسیوں کی طرف بھٹک گیا تھا۔ دفعتاً فریدی نے اس پر چھلانگ لگادی اور پہلے ہی حملے میں ریوالور سردار شکوہ کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑا۔

سردار شکوہ بھی ایک قوی ہیکل جوان تھا۔ اس لئے اس کی مدافعت کسی طرح بھی کمزور نہیں تھی۔ مگر فریدی دور ہی سے لڑنا چاہتا تھا۔ لپٹ پڑنے کی صورت میں اس کی مصنوعی ڈاڑھی خطرے میں پڑ جاتی۔ سردار شکوہ کی کوشش تھی کہ وہ کسی طرح ریوالور تک پہنچ جائے لیکن ہر بار فریدی کا گھونرہ اُسے پیچھے دھکیل دیتا تھا۔

اچانک فریدی کو اُسی لڑائی کے دوران میں یاد آ گیا کہ اس نے اپنی شکل خانم کے مشیر خان یوسف سے ملتی جلتی بنائی تھی۔ خان یوسف ہی نے اُسے ایک بار بتایا تھا کہ اس کا ایک چھوٹا بھائی جو قریب قریب اس کا ہم شکل تھا ایک مہم میں کام آ گیا تھا۔

فریدی نے میک اپ کرتے ہوئے خان یوسف کے چہرے کی ساخت کا خیال رکھا تھا۔ پھر آئینے پر نظر ڈال کر خود بھی اعتراف کیا تھا کہ وہ جوان خان یوسف معلوم ہوتا ہے۔ خانم شاید جلدی میں تھی اس نے اس پر غور کر کے رائے زنی ضروری نہیں سمجھی تھی۔

فریدی نے جلد ہی اُسے قابو میں کر لیا لیکن یہ سردار شکوہ کا گھر تھا اور کسی لمحے میں بھی حالات بدل سکتے تھے۔ فریدی نے اسے گریبان سے پکڑ کر سیدھا کھڑا کرتے ہوئے کراغالی میں کہا۔

”تمہیں میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔“

ساتھ ہی ریوالور کی نال اس کے پہلو سے لگاتا ہوا بولا۔ ”میری جیب میں ریوالور ہے اور انگلی ٹریگر پر..... تم اسی طرح چپ چاپ میرے ساتھ چلو گے۔“

سردار شکوہ آگے بڑھا۔ فریدی اس سے لگا ہوا چل رہا تھا۔ اس کا ہاتھ جیب میں تھا اور جیب

میں پڑے ہوئے ریوالور کی نال سردار شکوہ کی بائیں پسلی میں چبھ رہی تھی۔
 ”تم مجھے کہاں لے جاؤ گے۔“ سردار شکوہ نے آہستہ سے پوچھا۔ لیکن وہ خوفزدہ نہیں معلوم
 ہو رہا تھا۔

”چپ چاپ چلتے رہو۔“ فریدی کے لہجے میں سختی تھی۔ سردار شکوہ کے ملازم انہیں مشتبہ نظروں
 سے دیکھ رہے تھے، لیکن فریدی نے اسے کسی قسم کا اشارہ کرنے کا بھی موقع نہیں دیا۔
 کمپاؤنڈ سے باہر نکل کر فریدی نے اسے ٹیکسی کی طرف چلنے کو کہا، جو تھوڑے ہی فاصلے پر
 موجود تھی۔

”تم اپنی موت کو دعوت دے رہے ہو۔“ سردار شکوہ بڑبڑایا۔
 لیکن فریدی اس طرح چلتا رہا جیسے اس نے سنا ہی نہ ہو۔ ٹیکسی کے قریب پہنچ کر اس نے
 بائیں ہاتھ سے بینڈل گھمایا اور دروازہ کھول کر سردار شکوہ کو اپنے شانے سے دھکا دیا۔ انور دوسری
 طرف کھسک گیا۔

سردار شکوہ انور اور فریدی کے درمیان تھا اور اس کی بائیں پسلی میں اب بھی ریوالور کی نال
 چبھ رہی تھی۔

”تم واپس چلے گا..... ڈرائیور۔“ فریدی نے ڈرائیور سے کہا اور انور گفتگو کے اس بدلے
 ہوئے انداز پر چونک پڑا۔ لیکن خاموش ہی رہا۔ اب سردار شکوہ کے چہرے پر بھی اضطراب ظاہر
 ہونے لگا تھا۔

ٹیکسی چل پڑی۔ وہ تینوں خاموش تھے۔ کچھ دیر بعد فریدی نے انور سے کہا۔ ”تم روجی خانم
 کے گھار..... امارہ انتی زار کرے گا..... ام..... ایدھر..... راہ میں اُترے گا۔“

”اچھا..... اچھا.....!“ انور سر ہلا کر بولا اور ٹیکسی اترائیوں میں فرانے بھرتی رہی۔

”تم مجھے کہاں لے جاؤ گے۔“ سردار شکوہ نے کراغالی زبان میں پوچھا۔

”تو مچھوٹے بیٹھے گا.....!“

”تم اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔ اگر یہ مذاق ہے تو میں بھی دل کھول کر تہقہ لگانے میں کسی

سے پیچھے نہ رہوں گا..... لیکن کیا تم یہ پوچھ گچھ روجی کی ایماء پر کر رہے ہو۔“

”چوہ راؤ.....!“ فریدی نے گرج کر کہا۔

تقریباً دو میل چلنے کے بعد فریدی نے ڈرائیور سے گاڑی روکنے کو کہا۔ ٹیکسی رک گئی اور فریدی نے اپنا سامان سمیٹتے ہوئے سردار شکوہ کو دھکیل کر کار سے نیچے اتارا۔

یہ ایک ویرانہ تھا۔ یہاں بھورے رنگ کی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔

”اب تم جاؤ.....“ پتہ نہیں فریدی نے ڈرائیور کو مخاطب کیا تھا یا انور کو..... بہر حال دوسرے ہی لمحے میں ٹیکسی انہیں وہیں چھوڑ گئی۔

”سردار شکوہ.....!“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”اس ویرانے میں اگر میں تمہیں قتل بھی کر دوں تو

کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔“

”مجھے مار ڈالنا آسان نہیں ہوگا..... خان یا مین۔“ سردار شکوہ کے لہجے میں تلخی تھی۔ ”میں خان

علی کے ساتھیوں میں سے ہوں۔“

خان علی کا نام جس کا سیاہ مجسمہ فریدی وادی کراغال میں دیکھ چکا تھا کافی سنسنی خیز تھا۔

فریدی کو بہت زیادہ محتاط ہو جانا پڑا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

”مگر تم نے خان علی کے ساتھ غداری کی۔“

”خان علی مجھ سے بڑا غدار تھا۔“

”آہا تو خان علی بھی اسی سیاہ تنظیم سے تعلق رکھتا تھا۔“ فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

”تم نابدان کے کٹرے اسے سیاہ تنظیم کہہ رہے ہو۔“ سردار شکوہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ”تم جو

ہمیشہ بہت نیک کام کرتے رہے ہو۔ کیا تم دونوں بھائی خان ضیغ کو برسرِ اقتدار نہیں لانا چاہتے تھے۔“

”ہاں..... ہم اب بھی یہی چاہتے ہیں۔“ فریدی نے فخریہ انداز میں کہا۔ ”وہ کراغال سے

غداری کر کے کسی سیاہ تنظیم کو پروان نہیں چڑھانا چاہتا۔“

”خانم اس سے بھی زیادہ نیک اور شریف عورت ہے۔ تم اس کا ساتھ کیوں نہیں دیتے۔“

سردار شکوہ کا لہجہ طنزیہ تھا۔

”وہ عورت ہے، کوئی عورت کراغالیوں پر حکومت نہیں کر سکتی۔“

”تو تم لوگ خان علی کی موت کے راز سے واقف ہو گئے ہو حالانکہ خانم اسے چھپانے میں

کامیاب ہو گئی تھی۔“

”میں نے وہ مجسمہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”ایک دن تم سب سیاہ جسموں میں تبدیل ہو جاؤ گے۔“ سردار شکوہ نے مسکرا کر کہا۔ پھر دفعتاً وہ چونک پڑا اور اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو دیکھنے لگا جیسے ابھی تک خواب دیکھتا رہا ہو۔

”تم.....!“ وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”تم کراغالی ہرگز نہیں ہو سکتے..... تمہارا لہجہ۔“ فریدی نے اس کے منہ پر الٹا ہاتھ رسید کر دیا۔ سردار شکوہ اس غیر متوقع حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ فریدی کا ہاتھ پڑتے ہی دوسری طرف الٹ گیا۔ فریدی نے اسے دوبارہ اٹھنے کا موقع نہیں دیا۔ پے در پے ٹھوکریں رسید کرتا رہا۔ حتیٰ کہ سردار شکوہ کی ناک اور منہ سے خون بہنے لگا اور اس نے اٹھ کھڑے ہونے کی کوشش ترک کر دی۔

”ہاں..... میں کراغالی نہیں۔“ اس نے قہقہہ لگایا۔ ”لیکن اب تمہیں مجھے بہت سی کہانیاں سنانی پڑیں گی..... ورنہ موت بھی تم سے پناہ مانگے گی۔“

”تت..... تم کون ہو۔“ سردار شکوہ نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

”وہی جس نے نصرت خان، کنور شمشاد اور زوبی کو موت کی آغوش میں سلا دیا تھا۔“

”کک..... کرٹل فریدی۔“

”ہاں..... اب تم مجھے ادارہ روابط عامہ کے متعلق بتاؤ۔“

”میں کچھ نہیں جانتا۔“

فریدی نے شکار کے تھیلے سے چاقو نکالتے ہوئے کہا۔ ”تمہاری ہڈیوں سے گوشت الگ کر دوں گا۔“

”تم ایسا نہیں کر سکتے..... یہ کس قانون.....!“

”قانون کا نام مت لو اپنی زبان سے..... میری بات کا جواب دو۔“

”تم مجھ سے کچھ نہیں معلوم کر سکو گے۔“

”تم نے روجی کو مشورہ دیا تھا کہ وہ ادارہ روابط عامہ سے مدد طلب کرے۔“

”میں کچھ نہیں جانتا۔“

”ارے تم یہ بھی نہیں جانتے جس کا اعتراف خود روجی کر چکی ہے۔“

”میں کسی روجی کو نہیں جانتا۔“

”حالانکہ تم نے گھر پر روجی کے متعلق بہت سے سوالات کئے تھے۔“

سردار شکوہ کچھ نہ بولا۔

”میں یہ بھی جانتا چاہتا ہوں کہ رام گڈھ کی اس معصوم لڑکی نے تمہارا کیا بگاڑا تھا جس کو اُس کی شادی کے دن سیاہ مجسمے میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔“

”میں کچھ نہیں جانتا۔“

فریدی نے اس کے بازو میں چاقو اتار دیا اور سردار شکوہ کسی چوپائے کی طرح حلق پھاڑ کر چیخا۔
”بتانا ہوں۔“

”بتاؤ..... مجھے اس کالی تنظیم کے چوہے پر بھی رحم نہیں آ سکتا۔“

”اس کے چچا زاد بھائی نے..... تنظیم کے فنڈ میں تین لاکھ کا اضافہ کیا تھا۔“ سردار شکوہ کراہ کر

بولا۔

”گویا تنظیم کا فنڈ اسی طرح کے جرائم سے بڑھایا جاتا ہے..... اس کے چچا زاد بھائی کا نام

اور پتہ۔“

”اس کا ایک ہی چچا زاد بھائی ہے میں نام سے واقف نہیں ہوں۔“

”کیا وہ اپنے چچا کی جائیداد حاصل کرنا چاہتا تھا۔“

”ہاں..... اُف..... میرا خیال ہے ہک..... اُف.....“

”خیر چھوڑو..... اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہو سکتی..... اب ادارہ روابط عامہ.....!“

لیکن سردار شکوہ جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی بیہوش ہو گیا

”تم بیہوش نہیں ہوئے سردار شکوہ..... میں زندگی بھر تمہارے ہوش میں آنے کا انتظار کر سکتا

ہوں۔ تم شوق سے بیہوش ہو جاؤ۔ مجھے تم پر بالکل رحم نہ آئے گا۔ میں کچھ دن پہلے بھی سرحدی

پہاڑیوں میں تمہارے تقریباً ایک درجن آدمیوں کو موت کی نیند سلا چکا ہوں۔ اب آنکھیں کھولو ورنہ

اس بار یہ چاقو تمہاری ناک پر چلے گا۔“

سردار شکوہ نے آنکھیں کھول دیں اور ہولے ہولے کراہنے لگا۔

”روحی کا پاؤی گاڑو شاہد اجمل کہاں ہے؟“

”نشاط ہوٹل کے ایک تہہ خانے میں۔“

”بہت خوب..... اب ادارہ روابط عامہ کی اصلیت مجھ پر ظاہر ہو گئی۔ تمہیں اس کے متعلق

تکلیف نہیں دوں گا کیونکہ ڈاکٹر سلمان نے روجی سے کہا تھا کہ وہ کلل بالا کے ایک ہوٹل میں ہے۔ اب میں تم سے نشاط ہوٹل اور اس کے منیجر کے متعلق بھی کچھ نہیں پوچھوں گا۔ لیکن اب تمہارے لئے کیا کروں۔ تمہیں پولیس کے حوالے کرنا بھی فضول ہی ہوگا..... کیونکہ ہو سکتا ہے تمہاری سیاہ تنظیم کے آدمی اس جگہ میں بھی موجود ہوں اور تم مفت میں طبی امداد حاصل کر کے صحت یاب ہونے کے بعد جیل سے فرار ہو جاؤ۔ اچھا تم ہی بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کروں۔“

سردار شکوہ کراہتا رہا۔

”اچھا سنو..... تم اٹھ کر مجھ پر حملہ کرو تا کہ میں تمہیں موجودہ تکلیف سے نجات دلا دوں۔“

”نہیں.....!“ سردار شکوہ دونوں ہاتھ آگے پھیلا کر ہڈیانی انداز میں چیخا۔

”میں غلطی پر تھا..... سردار شکوہ مجھے تم پر رحم نہ کھانا چاہئے۔ کیا تم کسی زخمی سانپ پر رحم کھا کر

اسے چھوڑ دو گے۔“

”نہیں..... نہیں۔“ وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔ ”مجھے مت مارو۔“

”کیا تم تنظیم سے قطع تعلق کر سکتے ہو۔“ فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

سردار شکوہ کچھ نہیں بولا۔

”نہیں کر سکتے۔“ فریدی مسکرایا۔ ”اگر انہیں اس کا شبہ بھی ہو گیا تو وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں

گے۔ پھر کیوں نہ تم میرے ہی ہاتھوں مرنا پسند کرو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں زیادہ تکلیف نہ ہوگی۔ ٹھیک دل پر فائر کروں گا۔“

”نہیں..... نہیں..... خدا کے لئے۔“

”آہ..... تم لوگوں کو خدا بھی یاد آ سکتا ہے۔“

”میں مرنا نہیں چاہتا..... رحم کرو۔“ سردار شکوہ گڑ گڑایا۔

”تمہیں اس معصوم لڑکی پر بھی رحم آیا تھا جس کا سیاہ مجسمہ اب بھی ماں کی چھاتی سے چمٹا ہوا

ہے۔“

”میں نے کچھ نہیں کیا..... کچھ نہیں کیا۔“

”کراغال کی خانم نے تمہارا کیا باگڑا تھا۔ اوہ..... بڑھرو..... میں نے عیسیٰ خان کے متعلق تو

کچھ پوچھا ہی نہیں۔ کیا وہ تنظیم سے متعلق تھا۔“

”ہاں.....!“

”پھر اسے کیوں سیاہ مجھے میں تبدیل کر دیا گیا۔“

”اس نے تنظیم سے غداری کی تھی۔“

”وہ کس طرح۔“

”تنظیم کے خلاف یہاں کی حکومت سے ساز باز کر رہا تھا۔“

”خان یوسف کا بھائی..... خان یامین کس طرح مارا گیا تھا۔“

”اسے خان عیسیٰ ہی نے مار ڈالا تھا۔ لیکن شاید کراغال میں کسی کو بھی اس کا علم نہ ہو۔ خان

یامین غالباً اسی لئے مارا گیا تھا کہ اسے تنظیم کے متعلق کوئی خاص بات معلوم ہو گئی تھی۔“

”خیر..... اسے بھی چھوڑو۔ کیا تنظیم خان ضیغم یعنی کراغال کے والی کے بھتیجے کو مند اقتدار پر

دیکھنا چاہتی ہے۔“

”تنظیم کو کراغال حکومت بے کوئی دلچسپی نہیں۔“

”ڈاکٹر سلمان حقیقتاً کون ہے۔“

”میں نہیں جانتا..... میں اسے صرف ڈاکٹر سلمان ہی کے نام سے جانتا ہوں۔“

فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”کیا تم میرے اس احسان کو یاد رکھو گے کہ میں نے تمہیں جان سے نہیں مارا۔“ اس نے کچھ

دیر بعد کہا۔

”یاد رکھوں گا.....!“ سردار شکوہ کراہا اور اپنے زخمی ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

”تم بھی کراغالی ہو.....؟“

”نہیں.....!“

”کیا پہلے تم خان عیسیٰ کے ایجنٹ تھے؟“

”تم سب کچھ جانتے ہو۔ پھر مجھے بولنے پر کیوں مجبور کر رہے ہو۔ میری زبان کئی جگہ سے

کٹ گئی ہے۔“

”تم دوسروں سے رحم اور انسانیت کی توقع کیوں رکھتے ہو جب کہ بہمیت پر تمہارا ایمان ہے۔

مجھے اس معصوم لڑکی کا سیاہ مجسمہ ہر وقت یاد رہتا ہے۔“

”اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں عائد ہو سکتی۔“

”تم پر عائد ہوتی ہے۔ تنظیم کے ہر فرد پر عائد ہوتی ہے۔ تم سب قاتل سازشی اور غدار ہو۔ جانتے ہو میں تمہیں کیوں نہیں مارنا چاہتا۔“

سردار شکوہ خاموش ہی رہا۔ فریدی پھر بولا۔ ”تم لوگ مجھے بے بس کر کے مار ڈالنے کا پروگرام بنا چکے ہو۔ اس لئے میں تمہیں دکھانا چاہتا ہوں کہ میں کیا ہوں۔“

”میں بالکل بے قصور ہوں۔“

”تمہارے ذمے کیا کام ہے۔“

”میں..... میں..... ادارہ روابط عامہ کے لئے کام کرتا ہوں۔ اور بس.....!“

”لوگوں کو اس کے کارنامے بتا کر اس سے مدد لینے پر اکساتے ہو۔“

”ہاں..... میرے ہاتھ تشدد سے پاک ہیں۔“

”میں تمہیں اس لئے چھوڑ رہا ہوں کہ تم اپنی تنظیم کو فریدی کے خطرے سے آگاہ کرو۔ اپنے

سرگروہ کو بتادو کہ فریدی بہت کچھ جانتا ہے۔“

”میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔“ سردار شکوہ گڑگڑایا۔

”کیوں.....؟“

”میں احسان فراموش نہیں ہوں۔“

”تمہارا موجودہ حکمران کون ہے؟“

”کوئی عورت..... اسے کوئی نہیں جانتا۔“

”مجھے بھی کوئی نہیں جانتا سردار شکوہ..... جو جانتے ہیں وہ بھی نہیں جانتے۔ اس بار میں اس

تنظیم کو بنیادوں سے اکھاڑ کر پھینک دوں گا۔“

”مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔“ سردار شکوہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”اٹھو.....!“ فریدی اس کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اٹھاتا ہوا بولا۔ ”ادھر یہاں اس پتھر پر

بیٹھ جاؤ..... تھوڑی دیر بعد کلل بالا کی بس آئے گی۔“

وہ اسے اس پتھر پر حیرت زدہ چھوڑ کر سڑک کی بائیں جانب والی ڈھلان میں اترتا چلا گیا۔

سردار شکوہ میں اتنی بھی ہمت نہیں رہ گئی تھی کہ وہ کھڑا ہو کر اسے جانتے دیکھتا۔

قاسم اور پراٹھے

قاسم سب سے پہلے روجی کے یہاں پہنچا۔ روجی گھر پر موجود نہیں تھی۔ لیکن نوشابہ تھی۔ قاسم کو دیکھ کر اس نے دھاڑتے ہوئے خوش آمدید کہی۔

”آپ..... انوہ..... کہاں تھے آپ؟“

”خوش نہیں..... کچھ نہیں..... کوئی بات نہیں..... ہی ہی ہی..... لیکن مجھے بھون..... لگ رہی ہے۔“

”اوہو..... ضرور..... ادھر چلے..... میرے کمرے میں..... روجی صاحبہ تو ہیں نہیں۔“

”آپ تو ہیں..... ہی ہی ہی۔“

وہ اسے ایک کمرے میں لائی اور اسے وہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتی ہوئی بولی۔ ”ٹھہریے..... میں آپ کے لئے چائے تیار کر دوں اور کھانا تو آپ کا دیکھ ہی چکی ہوں۔“

”میں بھی وہیں چل رہا ہوں..... باورچی خانے میں آپ کا ہاتھ بناؤں گا۔“

”اوہو..... آپ.....!“ نوشابہ نے اپنی گونجلی آواز میں حیرت ظاہر کی۔

”ارے میں..... میں تو بڑی اچھی چپائیاں پکاتا ہوں..... ہی ہی ہی.....“

قاسم سر جھکا کر کسی شرمیلی لڑکی کی طرح اپنی انگلیاں مردور رہا تھا۔

”نہیں آپ یہیں بیٹھے۔“ نوشابہ ہنستی ہوئی چلی گئی۔ قاسم اداس ہو گیا۔ وہ بار بار ٹھنڈی آہیں

بھرتا اور پیٹ پر ہاتھ پھیرنے لگتا۔ وہ اس لئے اداس نہیں تھا کہ نوشابہ اسے تنہا چھوڑ گئی تھی بلکہ اس لئے مغموم ہو گیا تھا کہ فرائی پین میں تلے جانے والے پراٹھوں کی بو سے محروم ہو جائے گا۔ اسے کچھ اسی شدت سے بھوک لگ رہی تھی۔

وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس وقت نہ اسے زمین دوز دنیا یاد تھی اور نہ وہاں کی ٹکڑی ٹکڑی

لڑکیاں۔ اس وقت تو اس کے ذہن پر بکرے کی ران مسلط تھی۔ اسے اس کی فکر بھی نہیں تھی کہ وہ چھ لاکھ روپے گنوا چکا ہے۔

آدھے گھنٹے تک اسے نوشابہ کی واپسی کا منتظر رہنا پڑا۔ لیکن یہ انتظار نتیجے کے اعتبار سے کچھ

ایسا مہنگا بھی نہیں پڑا کیونکہ چائے کی کشتی بہت وزنی تھی۔ اس میں تقریباً بیس عدد پراٹھے اور ڈیڑھ درجن نیم برشت انڈے موجود تھے۔

”آپ کو بہت انتظار کرنا پڑا۔“

”قوی..... کوئی بات نہیں۔“ قاسم کسی ندیدے بچے کی طرح منہ چلاتا ہوا ہوا۔

اور پھر وہ اتنے انہماک سے اس کشتی پر ہاتھ صاف کرنے لگا کہ نوشابہ کی موجودگی بھی یاد نہ رہی۔

”آپ کو وہاں کھانے پینے کی تکلیف ضرور رہی ہوگی۔“ نوشابہ نے کہا۔

”جی.....!“ قاسم اس طرح چونکا کہ نوالہ ہاتھ سے چھوٹ پڑا لیکن پھر فوراً ہی اسے اٹھا کر

منہ میں ڈالتا ہوا ہوا۔ ”نہیں..... بالکل نہیں..... داؤں..... داؤں..... مگر وہ سالا..... چھٹک چھٹک..... داؤں..... داؤں..... ہی ہی ہی۔“

”میں نہیں سمجھی آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“

”ارے..... وہ کچھ نہیں..... بندر تھا بندر.....!“

نوشابہ نے کچھ اس انداز میں بوکھلا کر قاسم کی طرف دیکھا جیسے اس کے صحیح الدماغ ہونے میں شبہ ہو۔ ساتھ ہی قاسم کو یاد آ گیا۔ حمید نے چلتے وقت تاکید کی تھی کہ زمین دوز دنیا کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتائے ورنہ لوگ اسے پاگل سمجھیں گے۔ کسی کو یقین نہ آئے گا۔ پھر قاسم نے یہ بھی سوچا کہ وہاں لڑکیاں بھی تھیں۔ ممکن ہے کہ ان کا تذکرہ آجائے اور پھر نوشابہ سے بھی ہاتھ دھوئے پڑیں۔ اس نے دفعتاً چپ سادہ لی۔ لیکن یہ خاموشی بھی اسے نامناسب معلوم ہونے لگی۔ ممکن ہے نوشابہ سوچے کہ وہ اسے کچھ بتانا نہیں چاہتا۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ روجی کمرے میں داخل ہوئی۔

”اُغ..... اُغ.....!“ قاسم بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

”بیٹھے..... بیٹھے..... مجھے ابھی ملازموں سے معلوم ہوا کہ آپ آگئے ہیں۔ کیسے آئے.....“

کہاں تھے..... حمید صاحب بھی لاپتہ ہو گئے ہیں۔“

قاسم بیٹھ کر پھر پراٹھوں کے ساتھ انصاف کرنے لگا۔ وہ اسے کیا بتاتا۔ حمید نے منع کر دیا تھا۔

مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ اس کے بجائے کیا کہے گا۔

”وہ سالے بد معاش تھے۔“ اس نے کچھ دیر بعد کہا اور مزید کہنے کے لئے سوچنے لگا۔ اسے

خود پر غصہ آیا کہ اسے بات بنانا بھی نہیں آتا۔

”لے کیوں گئے تھے آپ کو.....؟“ روجی نے پوچھا۔

یہ سوال قاسم جیسے کوڑھ منظر کے لئے بھی غیر متوقع نہیں تھا اور وہ پہلے ہی سے اس کا کوئی معقول سا جواب سوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”ارے..... وہ..... کوئی خاص بات نہیں۔ ان بد معاشوں نے مجھ سے چھ لاکھ روپے وصول کر لئے۔“

”کتنے.....!“ نوشابہ کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔

”چھ لاکھ..... یہ پراٹھے بڑے..... لکچ..... لذیذ ہیں۔“

”کیا آپ کے پاس اتنی رقم موجود تھی۔“ روجی نے پوچھا۔

”چیک بک..... انہیں میری چیک بک مل گئی تھی۔“

”میرے خدا.....!“ نوشابہ نے ایک طویل سانس لی۔ کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔ ”تو اس رات وہ لوگ شاید آپ کی چیک بک تلاش کر رہے تھے۔“

”ہاں..... ہاں..... ضرور..... یہی ہی بات ہے۔“ قاسم سر ہلا کر بولا۔ ”چیک بک میرے سوٹ کیس میں تھی۔“

”کیا انہوں نے آپ پر تشدد کیا تھا.....؟“ روجی نے پوچھا۔

”نہیں وہ سالا چھٹک چھٹک مجھے کھانا نہیں کھانے دیتا تھا۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

قاسم پھر سنبھل گیا۔ مگر اسے کیا کرتا کہ ”سالا چھٹک چھٹک“ مستقل طور پر اس کے ذہن سے چپک گیا تھا۔ اُس کی گول مول باتوں سے روجی اندازہ نہ کر سکی۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ بھی اسے اسی انداز میں دیکھنے لگی جیسے وہ صحیح الدماغ نہیں ہو۔ دونوں کبھی ایک دوسرے کو دیکھتیں اور کبھی قاسم کو دیکھنے لگتیں۔ جو سر جھکائے انڈوں اور پراٹھوں سے نپٹ رہا تھا۔

پھر چائے انڈیلنے وقت اس کی ذہنی رو بہک گئی اور اس نے پھر ”چھٹک چھٹک“ کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

”وہ ایک بندر تھا..... بندر یعنی کہ بندر..... آپ سمجھتی ہیں نا..... جب میں چیک پر دستخط

کرنے سے انکار کر دیتا تھا تو وہ سالا مجھے کھانا نہیں کھانے دیتا تھا۔ میں بھوک کے علاوہ اور سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں۔ اگر میرے بنک بیلنس میں چھ ہزار لاکھ ہوتے تب ابھی میں خالی ہاتھ چلا آتا۔“

”تو اس بندر کی وجہ سے آپ نے.....!“

”ہاں..... وہ بڑا موذی تھا۔ ہاتھ نہیں آیا ورنہ ٹانگیں چیر کر پھینک دیتا۔“

”فریدی اور حمید صاحبان کو بھی آپ کی تلاش تھی۔“

”صاحبان کون.....؟“

”میرا مطلب ہے وہ دونوں صاحب۔“

”ارے حمید بھی تو تھا میرے ساتھ۔“ قاسم نے آہستہ سے راز دارانہ انداز میں کہا۔

”کیا..... نہیں۔“ روجی کے لہجے میں حیرت تھی۔

”ارے ہاں..... اسے بھی تو پکڑ لے گئے تھے وہ لوگ۔“

ان دونوں نے پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ بالکل اسی انداز میں جیسے انہیں یقین نہ آیا ہو۔

”اسے تو کئیرے میں بھی بند کر دیا گیا تھا..... ہاں.....!“

اچانک اسی وقت حمید اسی کمرے میں درانا چلا آیا۔ شاید اس نے قاسم کا آخری جملہ سن لیا تھا۔ قاسم اسے دیکھ کر بوکھلا گیا۔

”اررر..... تم..... حمید بھائی۔“

چند لمحوں کے بعد گھورتا رہا پھر تھکمانہ لہجے میں بولا۔ ”اٹھو..... اپنا سامان اٹھاؤ اور چپ چاپ

یہاں سے چلے جاؤ۔ محض تمہاری وجہ سے ہم لوگوں کو اتنی پریشانیاں اٹھانی پڑیں۔“

”ارے واہ.....!“ قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ ”تم خود اٹھاؤ سامان..... یہاں سے اور چلے جاؤ۔“

بڑے آئے دھونس جمانے والے..... ابے ہاں..... تم کئیرے میں بند کر دیئے گئے تھے..... تم ہوا

میں اڑے تھے..... اُس نے مجھے بتایا تھا..... کیا نام.....!“

دفعۃً حمید بہت زیادہ مغموں نظر آنے لگا اور پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ روجی کو اپنے

ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کمرے میں آئے۔

”تم نے دیکھا۔“ حمید نے مغموں لہجے میں کہا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا۔“

”اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”شاید ان لوگوں نے اسے بہت زیادہ اذیتیں دی ہیں۔“

”آپ کہاں تھے؟“

”اوہ..... میں..... میں اسی کی تلاش میں تھا۔ لیکن ان لوگوں نے شاید اسے خود ہی چھوڑ دیا۔“

مگر اس کے عیوض انہوں نے اس کے باپ سے بھاری رقم وصول کی ہوگی۔“

”مگر وہ تو کہتے ہیں کہ ان سے بیشمار چکیوں پر دستخط لئے گئے تھے۔ ان کا اندازہ ہے کہ تقریباً

چھ لاکھ کا بینک بیلنس صاف ہو گیا۔“

”بکو اس ہے..... اس کا کوئی ذاتی بیلنس نہیں تھا۔“

”آپ کو یقین ہے کہ ان کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔“

”جیسے یقین ہے۔ کیا آپ اس کی بے سروپا باتوں سے اندازہ نہیں کر سکتیں۔ مجھے وہ اس

وقت ملا تھا جب کسی خیالی بندر پر پتھراؤ کر رہا تھا۔“

”بندر..... ہاں..... وہ کسی بندر کا بھی تذکرہ کر رہے تھے۔“

اتنے میں ایک ملازم نے آکر اطلاع دی کہ فون پر حمید کی کال ہے۔

روحی اور حمید ساتھ ہی اس کمرے میں آئے جہاں فون تھا۔ حمید اس کے علاوہ اور کیا سوچ سکتا

تھا کہ دوسری طرف فریدی ہی ہوگا۔ مگر وہ انور نکلا اور حمید کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ انور فریدی کے

متعلق پوچھ رہا تھا۔

”میں نہیں جانتا وہ کہاں ہیں۔“

”اچھا جب آئیں تو الہ زار کے لئے رنگ کرنا میں وہیں مقیم ہوں۔ روم نمبر ۲۷ میں۔“

”دیکھا جائے گا“ حمید نے کہا اور ریسور رکھ دیا۔ انور کی اچانک آمد اسے اچھی نہیں لگی تھی۔

پھر وہ روحی کی طرف مڑ کر بولا۔ ”تم اپنی سناؤ..... تم پر پھر کوئی حملہ تو نہیں ہوا۔“

”نہیں ابھی تک تو محفوظ ہوں..... مگر آپ اچانک اس طرح غائب کہاں ہو گئے تھے۔“

”رام گڈھ سے باہر نہیں گیا تھا۔ یہی ہے ہماری زندگی جو عام آدمیوں کو بڑی پرکشش نظر آتی

ہے مگر حقیقت کوئی مجھ سے پوچھے۔“

”فریدی صاحب کہاں ہیں؟“

”ہاں.....!“ حمید نے ایک طویل سانس لی۔ چند لمبے ہونٹ بھیچے..... روحی کو گھورتا رہا پھر شانوں کو جنبش دے کر بولا۔ ”میں نہیں جانتا ہوں کہاں ہیں۔ تم ان کے متعلق مجھ سے کچھ نہ پوچھا کرو۔“

”کیوں.....؟“

”میری طبیعت متفر ہوتی ہے ان کے تذکرے سے۔“ حمید نے خلاء میں گھورتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ”میں خود نہیں سمجھ سکتا کہ مجھ میں یہ تبدیلی کیوں ہوئی ہے۔“

میں کرنل فریدی کے پسینے کی جگہ خون بہانے کو تیار رہتا تھا۔ مگر اب..... میں نہیں سمجھ سکتا۔

وہ اس طرح اپنی پیشانی رگڑنے لگا جیسے کسی الجھن میں ہو۔ بولنے کا انداز بھی ایسا ہی تھا جیسے اسے وہاں روحی کی موجودگی کا احساس ہی نہ رہا ہو۔

”کیا بات ہے۔ میں نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“

حمید چونک کر اسے گھورنے لگا۔ پھر تیز قسم کی سرگوشی میں بولا۔ ”میں..... میں کرنل فریدی کو قتل کر دوں گا۔ میں اسے نہیں پسند کرتا کہ تم بار بار اس کا تذکرہ چھیڑو۔“

فریدی کا دشمن

فریدی ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے انور کو فون کر رہا تھا۔ اس نے پہلے حمید کو فون کیا تھا اور اس سے انور کا پتہ معلوم کرنے کے بعد اب اسے یہاں سے واپس جانے کے متعلق ہدایات دے رہا تھا۔ اس نے اپنی ضروریات کی بہتری چیزیں منگوائی تھیں جن میں جرمن ساخت کا ایک ٹرانسمیٹر بھی تھا کیونکہ سردار شکوہ سے اتنی معلومات حاصل ہو جانے کے بعد وہ ہر حال میں کراغال کی خانم سے رابطہ قائم رکھنا چاہتا تھا۔

ریسیور ہک سے لگا کر وہ باہر نکل آیا۔ اس نے اب اپنے چہرے سے ڈاڑھی الگ کر دی تھی لیکن غدو خال اب بھی کراغال ہی کے سے برقرار رکھے تھے۔

رات تاریک اور سرد تھی۔ اس نے اسٹر کے کالر کھڑے کر لئے اور فلٹ ہیٹ کا گوشہ پیشانی پر جھکاتا ہوا ایک طرف چل پڑا۔

اگر کسی دوسرے کو اس کی اس حرکت کا علم ہو جاتا کہ اس نے سردار شکوہ کو ان اہم ترین اعتراضات کے بعد بھی چھوڑ دیا تو وہ اسے یقینی طور پر پاگل سمجھتا۔ کیا سردار شکوہ کو سلطانی گواہ بنا کر ادارہ روابط عامہ کے خلاف قانونی کارروائی نہیں کی جاسکتی تھی؟ ضرور کی جاسکتی تھی..... مگر فریدی اتنا جلد باز نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سردار شکوہ عدالت میں حاضر ہو کر ان الزامات کے اعتراضات ہرگز نہ کرے گا۔ اسے ہر لحظہ خدشہ لاحق رہے گا کہ برسر عدالت میں بھی اسے گولی ماری جاسکتی ہے۔ وہ معمولی ڈاکوؤں اور اچکوں کی تنظیم تو تھی نہیں۔ یقیناً ان لوگوں کے وسائل لامحدود ہوں گے جو ایک بڑی حکومت سے نکرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہی نہیں ان کے حوصلے بین الاقوامی بھی تھے۔

ایسے موقع پر اگر فریدی کی جگہ اور کوئی ہوتا تو اس کے ہاتھ پیر پھول جاتے۔ لیکن اس کے سکون میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ وہ سب کچھ اپنی سوچی سمجھی اسکیموں کے ماتحت کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس سلسلے میں زیادہ شور و شر مچانا فضول ہی ہوگا کیونکہ مجرموں کے حوصلے بلند ہیں۔ وہ یقیناً خود کو اتنا محفوظ اور مضبوط سمجھتے ہیں۔ حمید کا اس طرح چھوڑ دیا جانا ہی ان کی دیدہ دلیری کی ایک کھلی ہوئی دلیل تھی کہ اس قسم کی حرکت کر سکیں۔ کیا یہ حکومت کو ایک کھلا ہوا چیلنج نہیں تھا جس کا مقصد یہی ہو سکتا تھا کہ اس خبر سے ملک میں سراسیمگی اور انتشار پھیلے۔

وہ بیدل ہی چلتا رہا۔ سردار شکوہ سے نپٹنے کے بعد اس نے ادارہ روابط عامہ کے متعلق معلومات حاصل کرنی شروع کر دی تھیں۔ ڈاکٹر سلمان جو ادارہ کا انچارج تھا رام گڈھ ہی میں رہتا تھا اور وہاں کے متول اور باعزت لوگوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ فی الحال فریدی نے ڈاکٹر سلمان ہی کو تختہ مشق بنانے کی اسکیم تیار کی تھی۔ مگر اس کا یہ طریق کار اس کے محکمے کو ایک آنکھ نہ بھاتا۔ کیونکہ اس میں ضابطے کی کاروائیاں شامل نہ تھیں۔

ویسے فریدی کو یقین تھا کہ اگر ضابطے کی کارروائی شروع کی گئی تو قیامت تک کامیابی نہیں ہو سکے گی۔ وہ فیریز ڈریم (Fairy's Dream) کی عمارت کے قریب رک گیا۔ یہ یہاں کا سب

سے زیادہ شاندار ٹائٹ کلب تھا اور اسے توقع تھی کہ وہ یہاں کچھ نہ کچھ کام ضرور کر سکے گا۔ توقع اس لئے تھی کہ ڈاکٹر سلمان یہاں کا مستقل ممبر تھا۔

یہ عمارت ایک بڑی پر فضا جگہ پر واقع تھی۔ اس کی روشنیاں کبھی تال کے پرسکون پانی پر لہریئے بناتی رہتی تھیں۔

فریدی نے کلوک روم میں جا کر اسٹرائٹار، فلٹ ہیٹ ریک پر رکھی اور وسیع ہال میں داخل ہو گیا۔ گو اس کے چہرے پر رام گڈھ کے باشندوں کے لئے اجنبیت تھی لیکن لباس سے کوئی کم حیثیت آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

ہال میں آرکسٹرا کی مدہم موسیقی گونج رہی تھی اور مرکزی ٹیوب کی دو دھیا روشنی میں خوبصورت چہروں پر پھنکارس برس رہی تھی۔ کم از کم فریدی کا یہی خیال تھا کہ اس قسم کی روشنی کسی میوزیم کے می خانے ہی کے لئے موزوں ہو سکتی ہے۔

وہاں ابھی بہتری میزیں خالی تھیں۔ فریدی نے سرسری طور پر ہال کا جائزہ لیا اور اچانک ایک جگہ اس کی نگاہ رک گئی۔ وہ منظر یقیناً غیر متوقع تھا اس نے ایک میز پر حمید کو دیکھا۔ وہاں حمید کی موجودگی غیر متوقع یا حیرت انگیز نہیں تھی۔ مگر وہ تنہا نہیں تھا اور وہ دوسرا آدمی جس سے وہ گفتگو کر رہا تھا ڈاکٹر سلمان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ دراز قد اور مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ چہرے پر فرنج کٹ ڈاڑھی اور باریک تراشی ہوئی مونچھیں تھیں۔ آنکھوں پر رم لس فریم کی عینک اس کے خدو خال سے کافی ہم آہنگ معلوم ہوتی تھی۔

فریدی کو حمید پر بڑا غصہ آیا۔ اسے ایسی حرکت نہ کرنی چاہئے تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس میز پر آیا جو ان سے زیادہ دور نہیں تھی اور وہ یہاں سے ان کی گفتگو بہ آسانی سن سکتا تھا۔ وہ ان کی طرف پشت کر کے بیٹھ گیا۔

حمید ڈاکٹر سلمان سے کہہ رہا تھا۔ ”آپ حیران نہ ہوں ڈاکٹر صاحب۔ میں بہت دیر سے آپ کی تلاش میں تھا۔ آپ کے لئے اجنبی ضرور ہوں مگر ذرا سی دیر میں ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی نہ رہ جائیں گے۔ آپ نے کبھی نہ کبھی میرا نام ضرور سنا ہوگا۔“

”اگر نہ سنا ہو تب بھی مجھے آپ سے مل کر خوشی ہوگی۔“ ڈاکٹر سلمان کے لہجے میں سکون اور ٹھہراؤ تھا۔ ”زیادہ مجھ سے اجنبی ہی ملتے ہیں۔“

”میرا کارڈ.....!“ حمید نے جیب سے اپنا کارڈ نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا اور فریدی کی الجھن بڑھ گئی۔ مگر وہ خاموش سنتا رہا۔

”آہ..... اوہ..... کیپٹن حمید۔“ ڈاکٹر سلمان بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ ”ہاں مجھے علم تھا کہ آپ یہیں مقیم ہیں..... غالباً..... ہاں روجی صاحبہ نے تذکرہ کیا تھا۔ آپ شاید انہیں کے ساتھ ہیں۔“

”جی ہاں..... میں وہیں ہوں..... روجی کے ساتھ.....!“

”کیا آپ اسی مسئلہ پر گفتگو کریں گے۔“

”نہیں..... میں صرف اسلئے آپ سے ملنے کا خواہش مند تھا کہ آپ ماہر نفسیات ہیں۔“

”میں نہیں جانتا کہ میں ہوں بھی یا نہیں۔“ ڈاکٹر سلمان نے خاکسارانہ انداز میں مسکرا کر کہا۔

”نہیں..... میں نے آپ کی تعریف متعدد آدمیوں سے سنی ہے۔ آپ کا ادارہ ملک و قوم کی

گراں قدر خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس نوعیت کے ادارے تو شاندار ممالک میں بھی نہ ملیں جو خود کو ہر معاملے میں دنیا کا امام سمجھتے ہیں۔“

”حوصلہ افزائی ہے آپ کی۔“

”اب ان باتوں کو چھوڑ کر میرے معاملے کی طرف آئیے..... میں بہت پریشان ہوں۔“

حمید کچھ سوچنے لگا۔ اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ پھر وہ بائیں تھیلی سے اپنی

پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ ”آج صبح سے میں خود میں ایک عجیب و غریب تبدیلی محسوس کر رہا ہوں۔“

”اچھا..... کس قسم کی تبدیلی.....؟“

”کس طرح بیان کروں۔“ حمید اس انداز میں بڑبڑایا جیسے خود سے مخاطب ہو۔

”کہہ ڈالئے..... فضول سے فضول بات بھی حقیقتاً بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی کوئی نہ کوئی

نفسیاتی وجہ ضرور ہوتی ہے۔“

”آج دن میں کئی بار میں نے سوچا ہے کہ کرنل فریدی کو قتل کر دوں۔“

ڈاکٹر سلمان ہکا بکا رہ گیا۔ پھر اس کے چہرے پر کچھ اس قسم کے آثار نظر آنے لگے جیسے اسے

اس بات سے بڑا صدمہ پہنچا ہو۔

فریدی نے بھی اب اپنا رخ بدل دیا تھا۔ اب وہ اس پوزیشن میں تھا کہ انہیں بے آسانی دیکھ

سکتا تھا۔

”کیا آپ میری قابلیت کا امتحان لے رہے ہیں۔“ ڈاکٹر سلمان کچھ دیر بعد مسکرا کر بولا۔
لیکن یہ مسکراہٹ جاندار نہیں تھی۔

”اسی لئے مجھے پس و پیش تھا۔“ حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

”میں خود بھی یقین نہیں کر سکتا کہ کبھی فریدی صاحب کی طرف سے میرے دل میں اس قسم کے خیالات بھی پیدا ہو سکیں گے۔ مگر میں اسے خیال نہیں کہہ سکتا۔ یہ تو جنون تھا۔ کھلا ہوا جنون۔“
”اگر آپ اسے جنون تسلیم کرتے ہیں تب تو وہ ہرگز جنون نہیں تھا۔“ ڈاکٹر سلمان اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”میں نہیں سمجھا۔“

”بٹھریے..... کیا آپ کی دانست میں اس کی کوئی وجہ بھی ہے۔“

”نہیں کوئی نہیں..... ہمارے تعلقات ہمیشہ بہت اچھے رہے ہیں۔“

”تعلقات کو چھوڑیے..... جب ہم ایسے معاملات پر کسی بات کی وجہ دریافت کرنے بیٹھے ہیں تو تعلقات کی حیثیت یونہی سٹی سی ہوتی ہے کیونکہ تعلقات منطقی شعور کے عین منت ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق الاشعور سے نہیں ہوتا۔ یہ تو آپ کی کوئی الاشعوری گرہ ہے جس نے یہ بیل ایک نئی شکل اختیار کر لی ہے۔“

حمید اس طرح منہ کھولے بیٹھا رہا جیسے اس آفتلو کا ایک لفظ بھی اس کی سمجھ میں نہ آیا ہو۔

”آپ نہیں سمجھ۔“ ڈاکٹر نے مسکرا کر پوچھا۔

”جی نہیں..... بالکل نہیں۔“

”اچھا بٹھریے۔ کیا واقعی آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کبھی آپ کا ہاتھ کرنل فریدی پر اٹھ جائے گا۔“

”میرے خدا.....!“ حمید پھر اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔ ”میں کس طرح کہوں کہ اگر آج وہ

میرے سامنے ہوتے تو شائد..... اُف.....!“

حمید آنکھیں بند کر کے خاموش ہو گیا۔ ڈاکٹر سلمان اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ حمید نے کچھ دیر بعد آنکھیں کھولیں اور فریدی دل ہی دل میں اس کی اس شاندار ایکٹنگ کی تعریف کرنے لگا۔ حمید کی آنکھیں کچھ ایسی لگ رہی تھیں جیسے وہ کافی لمبی نیند کے بعد جاگا ہو۔ اس نے بھرائی ہوئی

آواز میں کہا۔ ”میں اسے قتل کر دوں گا..... سب کو اس ہے۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔ میں اسے قتل کر دوں گا..... دنیا کی کوئی طاقت مجھے باز نہیں رکھ سکتی۔“

وہ بڑبڑاتا ہوا اٹھ گیا اور اس طرح دروازے کی طرف بڑھنے لگا جیسے اندھا ہو۔ پھر وہ ایک میز سے ٹکرا کر گرتے گرتے بچا۔ میز الٹ گئی۔ لوگ چونک پڑے لیکن حمید اس سے لاپرواہ دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

کلب کے محافظوں نے آگے بڑھ کر اسے روکنا چاہا لیکن ڈاکٹر سلمان نے انہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ جس میز سے حمید ٹکرایا تھا وہ خالی تھی۔ مگر ایک اعلیٰ قسم کے گلدان کا نقصان ضرور ہوا تھا۔

”میں گلدان کی قیمت ادا کر دوں گا۔“ ڈاکٹر سلمان نے محافظوں سے کہا۔

”وہ میرے دوست تھے..... نشہ زیادہ تھا..... جاؤ..... کلرک سے کہہ دو..... میرے حساب میں ڈال دے۔“

محافظ چپ چاپ واپس چلے گئے۔ ڈاکٹر سلمان نے جیب سے سگریٹ کیس نکالا۔ ایک سگریٹ منتخب کی اور اسے سلاک کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

فریدی بڑی دلچسپی سے اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ حمید پر اس کی محنت ضائع نہیں ہوئی۔

ڈاکٹر سلمان نے ایک ویئر سے کچھ کہا اور وہ کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ جو تھوڑی دیر بعد ٹرے میں ایک گلاس اور ایک بوتل لے کر واپس آیا۔

فریدی نے تھوڑی ہی دیر بعد محسوس کر لیا کہ ڈاکٹر بلا نوشوں میں سے ہے۔

فریدی کافی کی چسکیاں لیتا رہا۔ ڈاکٹر سلمان کی شخصیت اس کے لئے کافی دلچسپ تھی۔ وہ اسے اور زیادہ قریب سے دیکھنا چاہتا تھا۔

ہال میں موسیقی کی لہریں نفرتی تہمتوں سے ہم آہنگ ہوتی رہیں۔ کچھ دیر بعد فریدی کو ڈاکٹر سلمان کی میز کے قریب ایک جانا پہچانا سا چہرہ نظر آیا۔ یہ دلکشا کا نیجر تھا۔ ڈاکٹر سلمان نے سر ہلا کر اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ فریدی دلکشا کے نیجر کے انداز میں احساس کمتری کی جھلکیاں محسوس کر رہا تھا۔

”کیا خبر ہے؟“ ڈاکٹر سلمان نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

”آج کسی نے سردار شکوہ کو بہت بُری طرح زدوکوب کیا ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“ ڈاکٹر سلمان نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

”یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کون تھا۔ خود سردار شکوہ نے بتایا۔“

”کیا وہ حملہ آور کو پہچانتا نہیں تھا۔“

”نہیں..... اس کے بیان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی جانا پہچانا آدمی تھا۔“

”کیا تمہارے دونوں جملوں میں کسی قسم کا ربط موجود ہے۔“ ڈاکٹر سلمان نے جھلائے ہوئے

لہجے میں کہا۔

”دیکھئے میں عرض کرتا ہوں۔“

”جلدی کرو۔“

”اے جس نے بھی پیٹا ہے بُری طرح پیٹا ہے۔“

”اور آئندہ کے لئے اسے تاکید کرو کہ ہمیشہ اچھی طرح پیٹا کرے۔“ ڈاکٹر سلمان مسکرا کر

بولا۔ پھر انتہائی خشک لہجے میں کہنے لگا۔ ”وہ لوگ جو کم سے کم الفاظ میں اپنا مافی الضمیر نہیں بیان کر سکتے انہیں مر ہی جانا چاہئے۔ کیونکہ جب وہ زبان ہلانے کے آرٹ سے ناواقف ہیں تو ان سے کوئی اچھی توقع کس طرح کی جاسکتی ہے۔“

”سردار شکوہ کہتا ہے کہ یہ میرا نجی معاملہ ہے۔ اس لئے میں اس کی تفصیلات میں جانا پسند نہیں کرتا۔ اس واقعے کا تنظیم سے کوئی تعلق نہیں۔“

”پھر شاید اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ ڈاکٹر سلمان نے ایک طویل سانس لے کر کہا اور چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد دلکشا کے میجر کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”اس نے جو کچھ بھی کہا ہے اس سے بغاوت کی بو آتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ تنظیم میں شامل ہو جانے کے بعد آدمی کا کوئی بھی معاملہ انفرادی نوعیت کا حامل نہیں رہ جاتا۔ اس کے جسم کی ایک ایک حرکت تنظیم کی امانت ہوتی ہے۔“

”کیا آپ کھل بالا جائیں گے؟“

”جانا ہی پڑے گا..... اور میں اسی وقت جاؤں گا۔“

ڈاکٹر سلمان اٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی دلکشا کا میجر بھی اٹھا اور دونوں ہال سے چلے گئے۔

فریدی کے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

نئے ساتھی

سردار شکوہ کی حالت ابتر تھی۔ جب بس وہاں پہنچی تو اس نے پتھر پر بیٹھے ہی بیٹھے ہاتھ اٹھا کر ڈرائیور کو روکنے کا اشارہ کیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں یہ بات بھی اس پر روشن ہو گئی کہ اب اپنے پیروں پر کھڑا نہ ہو سکے گا کیونکہ شاید اس کا ایک ٹخنہ بھی اتر گیا تھا۔

وہ کھل بالا کی جانی پہچانی ہوئی شخصیتوں میں سے تھا۔ شاید بس کے کچھ مسافر اسے پہچانتے تھے۔ انہوں نے اسے بس پر بیٹھنے میں مدد دی۔ ظاہر ہے کہ لوگوں کو اس واقعے پر حیرت ہوئی ہوگی۔ لیکن وہ سردار شکوہ سے صحیح بات نہیں معلوم کر سکے۔

بہر حال اس کی حالت ایسی تھی کہ اسے ایک ہسپتال میں داخل ہونا پڑا۔ پھر ذرا ہی سی دیر میں یہ خبر چاروں طرف مشہور ہو گئی..... کہ سردار شکوہ ایک ویرانے میں زخمی پایا گیا ہے۔

یہ خبر تنظیم سے تعلق رکھنے والے کسی آدمی کے ذریعہ دلکشا ہوٹل کے منیجر تک بھی پہنچی اور وہ استفسار حال کے لئے کھل بالا آیا۔ لیکن سردار شکوہ نے اسے بھی اصلیت سے آگاہ نہیں کیا۔ پھر اس نے ڈاکٹر سلمان کو اس واقعے کی اطلاع دی۔ فیروز ڈریم میں فریدی بھی موجود تھا۔ اس طرح دلکشا کے منیجر کے متعلق رہے سبے شکوک بھی رفع ہو گئے اور اس کا شمار بھی انہیں لوگوں میں کرنے لگا جن سے اسے بچنا تھا۔

فریدی نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ دونوں اب سیدھے کھل بالا ہی جائیں گے۔ اس لئے وہ بھی فیروز ڈریم سے نکل آیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ انہیں بھی راہ میں روک کر حیرت زدہ کیا جائے۔ مگر پھر یہ خیال ترک کر دیا۔ وہ سب سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ سردار شکوہ ڈاکٹر سلمان سے کیا بتاتا ہے۔

اس نے باہر نکلتے ہی ایک ٹیکسی لی اور کلل بالا کی طرف روانہ ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے مڑ کر دیکھا دور کسی کار کی ہیڈ لائٹس نظر آرہی تھیں اور وہ شاید ڈاکٹر سلمان ہی کی کار تھی..... اس سنان راستے پر صرف دو ہی کاریں دوڑ رہی تھیں۔

کلل بالا تک کار اس کی ٹیکسی کے پیچھے ہی پیچھے رہی تھی۔ کلل بالا پہنچ کر فریدی کی ٹیکسی کو اس کے عقب میں ہونا پڑا اور فریدی نے ڈرائیور سے کہا۔
”اسی کار کے پیچھے لگے رہو۔“

جب ڈاکٹر سلمان کی کار ہسپتال کے کمپاؤنڈ میں داخل ہونے لگی تو فریدی نے ٹیکسی سڑک ہی پر رکوا دی اور ڈرائیور کے ہاتھ میں دس دس کے تین نوٹ دیتا ہوا بولا۔ ”میرا انتظار کرنا۔“

”اچھا صاحب.....!“ ڈرائیور نے پرسرت لہجے میں کہا۔ رام گڈھ سے کلل بالا تک بمشکل تمام سات روپے بننے لیکن اس مسافر کی فیاضی پر اسے حیرت بھی ہوئی اور شبہ بھی۔ لیکن اسے اس سے کیا سروکار ہو سکتا تھا۔

فریدی کار سے اتر کر چپ چاپ ہسپتال کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا۔ دلکش کانفیجر ڈاکٹر سلمان کو پرائیویٹ وارڈ کی طرف لے جا رہا تھا۔ فریدی ان کے ساتھ ہی چلتا رہا اور انہیں شاید اس پر شبہ کرنے کی بھی فرصت نہیں تھی۔

جیسے ہی وہ ایک کمرے میں داخل ہوئے فریدی چکر کاٹ کر وارڈ کی پشت پر پہنچ گیا۔ کمرے کی ساخت سے اس نے پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا کہ ہر کمرے میں عقبی کھڑکی ضرور ہوگی..... وارڈ کی پشت پر چیز کا گھٹنا جنگل تھا..... فریدی کھڑکی کے نیچے دبک گیا..... کھڑکی سے آنے والی روشنی ایک درخت کی شاخوں پر پڑ رہی تھی اور نیچے گہرا اندھیرا تھا۔

اس نے سردار شکوہ کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔ ”میں تنگ آ گیا ہوں اپنے ہمدردوں سے.....“

اور میرا دل چاہتا ہے کہ خود کشی کر لوں..... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں کیا بتاؤں۔“

”لیکن تم مجھے بتاؤ گے۔“ یہ ڈاکٹر سلمان کی آواز تھی۔

”آپ کو تو بتانا پڑے گا لیکن یہ میرا نجی معاملہ ہے..... قطعی نجی۔“

”تمہارا کچھ بھی تمہارا نہیں ہے..... تم سب کچھ تنظیم کے لئے وقف کر چکے ہو۔“

”میری خدمات..... میری دولت..... ان کے علاوہ آپ اور کس چیز کی توقع رکھتے ہیں۔ کیا

میں اپنی محبت..... اپنی نفرت..... اور دشمنی کے جذبات بھی تنظیم کیلئے وقف کر چکا ہوں۔“
 ”تم باہر بٹھرو.....!“ ڈاکٹر سلمان نے غالباً دلکشا کے میجر سے کہا تھا۔

فریدی نے قدموں کی آواز سنی جو بتدریج دور ہوتی ہوئی سنانے میں مغم ہو گئی۔

”یہ سب کچھ ایک عورت کے لئے ہوا ہے ڈاکٹر.....!“ سردار شکوہ کی آواز آئی۔

فریدی ایک طویل سانس لے کر مسکرانے لگا۔ پھر اس نے ڈاکٹر سلمان کی آواز سنی جو کہہ رہا

تھا۔ ”اوہ..... تم اپنی عادتوں سے باز نہیں آؤ گے۔“

”میں مجبور ہوں ڈاکٹر..... نفسیاتی طور پر..... میری تفریح عورت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ مجھے

سب کچھ ایک عورت میں مل جاتا ہے اور جب عورت نہیں ملتی تو میری روح کسی شیر خوار بچے کی طرح

بلکتی رہتی ہے۔“

”تمہیں شاید ماں باپ کا پیار نہیں ملا۔“ ڈاکٹر سلمان بولا۔

”ہاں جب میں ایک سال کا تھا..... میری ماں مر گئی تھی۔“

”تو وہ تمہارا لونی، قیب تھا۔“

”ہاں..... ڈاکٹر..... یہ میرا نجی معاملہ ہے۔ میں اُس سے سمجھ لوں گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ ڈاکٹر سلمان نے کہا۔ ”تنظیم سے اس کا کوئی تعلق نہیں لیکن میں ذاتی طور پر

تمہاری مدد کے لئے تیار ہوں۔“

”شکریہ..... مجھے آپ سے یہی توقع تھی لیکن میں خود ہی نیٹ لوں گا۔ میرے لئے باعث

شرم ہے کہ میں اس چھوٹے معاملے کے لئے آپ سے مدد طلب کروں۔ بس میں دھوکے میں

مارا یا گا۔ وہ کئی تھے۔“

ایک بار پھر فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”جیسے دراصل اس لئے تشویش تھی کہ اس وقت وہ خونخوار بھیڑیا ہماری نظر میں نہیں ہے اور کوئی

نہیں جانتا کہ وہ کب کیا کر بیٹھے۔“ ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

”خونخوار بھیڑیا..... میں نہیں سمجھا۔“

”فریدی۔“ ڈاکٹر سلمان نے کہا اور تھوڑی دیر کے لئے سناٹا چھا گیا۔

ٹھیک اسی وقت فریدی نے فیصلہ کیا کہ اب حمید سے دور ہی رہے گا۔ کیونکہ ایسے حالات میں

اس سے کسی قسم کا تعلق رکھنا عظمندی سے بعید ہوگا۔

ایک طویل خاموشی کے بعد ڈاکٹر سلمان کی آواز پھر سنائی دی۔ وہ اب زخموں کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہا تھا۔

فریدی چپ چاپ وہیں جما رہا۔ لیکن اب وہ سوچ رہا تھا کہ یہاں وقت برباد کرنا فضول ہے کیونکہ ان کی گفتگو زیادہ تر رسی تھی۔ فریدی سمجھا تھا شاید اب وہ تنظیم کے متعلق بھی کچھ گفتگو کریں گے مگر شاید وہ اس مسئلے پر بہت زیادہ جمناط تھے۔ بہر حال فریدی اس وقت تک وہیں رہا جب تک کہ ڈاکٹر سلمان رخصت نہیں ہو گیا۔

وہاں سے نکل کر فریدی پھر نیکی کی طرف واپس آیا اور ڈرائیور سے ریالٹو کی طرف چلنے کو کہہ کر پچھلی نشست کی پشت گاہ سے نک گیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ لیکن ذہن جاگ رہا تھا۔ وہ سردار شکوہ کے متعلق سوچنے لگا۔ اس کے بارے میں بھی اس سے اندازے کی غلطی نہیں سرزد ہوئی تھی۔ سردار شکوہ نے اس کا نام نہیں لیا تھا۔ وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا تھا۔ ڈاکٹر سلمان اسے زندہ نہ چھوڑتا وہ یہ سوچتا کہ فریدی نے اسے صرف زدوکوب ہی کر کے چھوڑ دیا۔ اگر اسے اس پر شبہ تھا تو باضابطہ کارروائی کیوں نہیں کی۔ سوچتے سوچتے وہ اسی نتیجہ پر پہنچتا کہ فریدی نے سردار شکوہ پر تشدد کر کے اس سے کچھ اگلا لیا ہے اور پھر مزید کارروائی کی ضرورت نہ سمجھ کر اسے زخمی حالت میں چھوڑ گیا۔ غالباً سردار شکوہ نے بھی یہی سوچا ہوگا۔ اسی لئے اس نے کسی خیالی رقابت کا قصہ چھیڑ دیا تھا۔

بہر حال اب تک جو کچھ بھی ہوا تھا فریدی کے حق میں بہتر ہی ہوا تھا۔

ریالٹو پہنچ کر اس نے نیکی ڈرائیور کو دس کا ایک نوٹ اور دیا نیکی چلی گئی۔ فریدی ریالٹو کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوا۔..... یہ کلل بالا کا سب سے اچھا ہوٹل تھا۔

فریدی نے یہاں رات کا کھانا کھایا اور واپسی کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس کی نظر ڈاکٹر سلمان پر پڑی۔ شاید وہ پینے کیلئے یہاں رک گیا تھا۔ لیکن اب دلکشا کا منبر اس کے ساتھ نہیں تھا۔

فریدی نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر سلمان بے تحاشہ پیتا ہے۔ اس نے اٹھنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ ویسے اس کا خیال تھا کہ ریالٹو کے ویڑوں کے لئے ڈاکٹر سلمان کی شخصیت نئی نہیں ہے کیونکہ وہ اس کے قریب سے گزرتے وقت نہایت ادب سے سلام کرتے تھے۔

فریدی سگار ساگ کر قرب و جوار کی میزوں کا جائزہ لینے لگا۔ انداز ایسا تھا جیسے لڑکیوں کو گھور رہا

ہو۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ ان لوگوں میں سراپگی ہی پھیلائی جائے۔

ڈاکٹر سلمان جلد اٹھتا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ اس نے کافی مقدار میں شراب طلب کی تھی اور اب اس کی میز پر پیشہ ور قسم کی دولڑکیاں بھی پہنچ گئی تھیں۔ انداز سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہوٹل میں ٹیبل پارٹنر بننے والی لڑکیاں ہیں ویسے ہو سکتا تھا کہ وہ بھی تنظیم کے متعلق رہی ہوں۔

فریدی بل ادا کر کے باہر آیا..... چند لمحوں کے کپاؤنڈ میں کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر ڈاکٹر سلمان کی کار کے قریب آ کر اس کے ڈیش بورڈ کو ٹٹولنے لگا۔ ڈاکٹر نے شاید کھڑکیوں کو مقفل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ فریدی نے نہایت اطمینان سے اسٹیرنگ کے سامنے بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ دوسرے ہی لمحوں میں کار کپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ رام گڈھ والی سڑک پر موڑ دی گئی۔

رات آدھی گزر چکی تھی۔ کار فلک بوس پہاڑوں کے دامن میں دوڑتی رہی۔ رام گڈھ پہنچ کر فریدی نے دفتر روابط عامہ کا رخ کیا۔ یہ ایک بڑی عمارت میں واقع تھا۔ عمارت کے تین کمرے ادارہ کے اسٹاف کے لئے وقف تھے اور بقیہ حصے میں ڈاکٹر سلمان خود رہتا تھا۔

فریدی نے کار پھانک کے سامنے روک دی۔ پھانک بند تھا..... اور کپاؤنڈ میں بھی روشنی نہیں نظر آ رہی تھی۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ ڈاکٹر سلمان عموماً راتیں گھر سے باہر گزارتا ہے۔ کار روک کر وہ پھانک پر آیا اور چند لمحوں میں ٹھہر کر اندازہ کرتا رہا کہ اندر کوئی چوکیدار تو موجود نہیں ہے لیکن اندر سے کسی قسم کی آواز نہیں آئی۔ فریدی کار پشت پر لے آیا۔ ڈکے کو اٹھانے کی کوشش کی مگر وہ مقفل تھا۔ اس نے جیب سے ایک باریک سا اوزار نکالا..... پھر ڈکے کا قفل کھولنے میں ایک منٹ سے زیادہ وقت بھی نہیں صرف ہوا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی اندر ڈالی۔

یہاں بھی اس کا اندازہ صحیح ثابت ہوا۔ وہاں پٹرول کے کئی ٹن موجود تھے۔ فریدی نے انہیں نکال کر کار پر اٹیلنا شروع کر دیا۔ دو یا تین منٹ بعد وہ کار سے آٹھ یا دس گز کے فاصلے پر کھڑا تھا اور کار سے یہاں تک بہتے ہوئے پٹرول کی ایک لکیر اس کے پیروں کے قریب پہنچی ہی تھی کہ اس نے دیا سلائی کھینچ کر اس پر پھینک دی اور خود پوری قوت سے دوسری طرف دوڑنے لگا۔

جب تک وہ ڈھال سے نیچے نہیں اتر آیا اسے برابر روشنی دکھائی دیتی رہی۔ تقریباً چار فرلانگ تک دوڑنے کے بعد وہ رک گیا۔ دستانے اتار کر جیب میں رکھے اور پھر آہستہ آہستہ چلنے لگا۔

اب وہ اپنی قیام گاہ کی طرف واپس جا رہا تھا۔

اس نے آج ہی اپنے قیام کا انتظام بھی کر لیا تھا۔ چند ہی گھنٹوں میں کچھ دوست بھی بنائے تھے لیکن یہ قیام گاہ بھی خطرناک تھی اور دوست بھی اچھے آدمی نہیں تھے۔ رام گڈھ کے چھٹے ہوئے بد معاش اور یہ قیام گاہ بھی افضل خان کی سرانے۔ سرانے ایسی جگہ واقع تھی جہاں سے بھوری پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا اور بھوری پہاڑیوں کو پولیس کی اصطلاح میں مجرموں کی آغوش مادر کہا جاتا تھا۔ رام گڈھ کے مفروضہ ہمیشہ انہیں پہاڑیوں کا رخ کرتے اور پولیس کے لئے انہیں دوبارہ ڈھونڈھ نکالنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا تھا۔

فریدی نے پہلے ریاٹو میں قیام کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن سردار شکوہ سے نپٹنے کے بعد اس نے سوچا کہ کوئی غیر معروف اور گھٹیا سی جگہ زیادہ مناسب رہے گی۔ افضل خان کی سرانے ”غیر معروف“ تو نہیں تھی لیکن اس کے متعلق یہ نہیں سوچا جاسکتا تھا کہ وہاں فریدی جیسا آدمی بھی قیام کر سکے گا۔ سرانے پہنچ کر وہ اپنی کونھری میں چلا گیا۔ نہ اسے یہاں کی گندگی کی پرواہ تھی اور نہ گھٹن کی۔ وہ اپنے گھر پر ایک انتہائی نفاست پسند آدمی نظر آتا تھا لیکن یہاں اسے دیکھنے والے یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ وہ نچلے ہی طبقے کا ایک فرد نہیں ہے۔ ویسے اس کے عمدہ سلے ہوئے سوٹ کے متعلق ان کا بھی خیال تھا کہ وہ اندھیری رات کی کسی مہم میں ہاتھ آیا ہوگا..... وہ اس کے متعلق چہ میگوئیاں کرتے لیکن کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اس سے کچھ پوچھتا۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو اسے سراغ رساں سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ ان کی ٹوہ میں آیا ہے لیکن پھر سوچتے کہ اگر یہ بات ہوتی تو اتنا اچھا سوٹ پہن کر اس سڑی سی سرانے میں قیام نہ کرتا..... بلکہ ایسے پھٹے حالوں میں یہاں آتا کہ انہیں اس پر شبہ بھی نہ ہو سکتا۔

فریدی نے ایک گوشے میں پڑا ہوا کمبل اٹھایا اور اسے زمین پر بچھا کر تھوڑی دیر تک بیٹھا رہا..... پھر ایک سگار سلاگ کر لیٹ گیا۔ اس کے چہرے پر گہرے سکون کے آثار تھے۔ بالکل ویسے ہی جیسے اس کی اپنی خواب گاہ میں نفیس ترین بستر پر آرام کرتے وقت ہوا کرتے تھے۔

یہ فریدی تھا۔ اپنے وقت کا پراسرار ترین آدمی، جس کی زندگی کے ہزار ہا پہلو اب بھی پردہ راز میں تھے۔ شائد کیپٹن حمید بھی ان سے ناواقف تھا۔ صرف ایک ہی حیرت انگیز دریافت اس کے حیران رہ جانے کیلئے کافی تھی اور وہی اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔ یہ تھی فریدی کی بلیک

فوس..... وہ نہیں جانتا تھا کہ اس میں کتنے آدمی ہیں اور یہ کس قسم کی تنظیم ہے۔ وہ لوگ فریدی کے لئے مفت کام کرتے ہیں یا انہیں اس کا معاوضہ ملتا ہے۔ معاوضہ ملتا ہے تو کہاں سے؟ کیا اس کا بار فریدی کی اپنی جیب پر ہے مگر یہ بات قرین قیاس نہیں تھی۔ کیونکہ فریدی کے بیانات سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ بلیک فوس میں لاتعداد آدمی ہیں۔

فریدی لیپ کی روشنی کم کرنے کے لئے اٹھا ہی تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔
”کون ہے؟“

”کھولو یار..... تم بھی بس۔“ باہر سے آواز آئی۔

فریدی نے دروازہ کھول دیا۔ باہر ایک بے ہنگم سا آدمی کھڑا دانت نکالے اسے گھور رہا تھا۔

”میں نے کہا کیا کچھ چال پھیر کا بھی شوق ہے؟“ اس نے ہتھیلی پر ہتھیلی رگڑتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... آں ہے کیوں نہیں۔“ فریدی بھی اسی انداز میں ہنس کر بولا۔ ”مگر میں ہمیشہ لمبا کھیل کھیلتا ہوں۔“

”او..... ہو..... کتنا لمبا.....؟“

”جتنا بھی لمبا ہو سکے۔“

”تو آؤ.....!“ وہ آدمی ہاتھ جھٹک کر بولا۔

فریدی نے باہر نکل کر دروازہ مقفل کیا اور اس کے ساتھ چلنے لگا۔ اس نے ابھی تک کپڑے نہیں اتارے تھے۔

وہ ایک بوسیدہ سے دلان میں آئے جہاں ایک بڑا سلیپ روشن تھا اور زمین پر پڑی ہوئی دری پر چار آدمی بیٹھے تھے۔ درمیان میں تاش کے پتے بکھرے ہوئے تھے۔ ان میں سے تین کو فریدی پہچانتا تھا۔ وہ یہیں سرائے ہی میں رہتے تھے۔ چوتھا اجنبی تھا۔ شاید وہ اسے کہیں باہر سے پھانس کر لائے تھے۔ آدمی مالدار معلوم ہوتا تھا۔ لیکن صورت سے شریف یا سیدھا سادہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس کی آنکھوں سے مکاری چمکتی تھی۔

ان لوگوں نے فریدی کا استقبال بڑی گرم جوشی سے کیا۔

کھیل شروع ہو گیا اور ان میلے کپیلے خستہ حال بد معاشوں کی جیبوں سے سو سو کے نوٹ نکلنے

اچانک تھوڑی دیر بعد فریدی نے اپنے پتے رکھ دیئے اور داؤں پر پڑے ہوئے نوٹوں میں ایک اٹھا کر لیمپ کی روشنی میں دیکھنے لگا۔ یہ نوٹ اسی اجنبی کے جیب سے نکلا تھا۔ دوسرے لوگ بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور اجنبی کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنے کے لئے خود کو تیار کر رہا ہو۔

”کیوں ہے۔“ دفعتاً فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔ ”استادوں سے استادی۔“

”کیا مطلب.....؟“ وہ پیچھے کھسکے لگا۔

”ہمیں لوٹنے آئے ہو.....؟ جلی نوٹ۔“

”بکواس ہے۔“

فریدی نے الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔ بقیہ چار حیرت سے منہ کھولے انہیں دیکھ رہے تھے۔ مارکھا کر اس آدمی نے چہرہ نکال لیا اور پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار سے جا لگا۔

”اگر کوئی میرے قریب آیا..... تو.....“ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

”مارڈالوسالے کو۔“ چاروں بیک وقت چیخے۔

”ٹھہرو.....!“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اس کے پاس لمبی رقم معلوم ہوتی ہے..... مگر سب

جلی..... تم لوگ چپ چاپ بیٹھے رہو۔ میں دیکھتا ہوں۔“

فریدی آہستہ آہستہ خونخوار اجنبی کی طرف بڑھنے لگا۔

”آؤ..... آؤ..... تمہاری موت ادھر لا رہی ہے۔“ اس نے کہا۔

فریدی اس سے ایک گز کے فاصلے پر رک گیا۔ اچانک اجنبی نے اس پر جست لگائی لیکن اس

کا چاقو والا ہاتھ دوسرے ہی لمحے میں فریدی کی آہنی گرفت میں تھا..... اور پھر وہ فریدی کی کمر سے

لگتا ہوا کسی شہتیر کی طرح چاروں خانے چت فرش پر گرا۔ چاقو اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا

تھا۔

اور اب پھر اس میں اتنی سکت کہاں رہ گئی تھی کہ فریدی کا گھٹنا اپنے سینے پر سے ہٹا سکتا۔

”بڑے جیالے ہو۔“ فریدی اس کے گال پر تھپڑ مارتا ہوا بولا۔

چاروں بے تماشہ ہنس رہے تھے..... فریدی نے دوسرا تھپڑ مارتے ہوئے اسے سیدھا کھڑا

کر دیا۔

”اگر تم نے ذرا بھی ہاتھ پیر ہلائے تو اپنے پیروں سے چل کر یہاں سے نہیں جاسکو گے۔ ہم غریبوں کو لوٹنے آئے تھے۔ ہماری ہار اور جیت دونوں ہی افسوس ناک ہوتیں۔“ پھر اس نے ان چاروں سے کہا۔ ”ارے یارو کیا دیکھتے ہو..... اس کی تلاشی لو۔“

یہ کام بڑے سکون کے ساتھ ہو گیا۔ اس کی جیبوں سے تیس ہزار کے جعلی نوٹ برآمد ہوئے۔ کچھ اچھی کرنسی بھی تھی۔ لیکن اس کی تعداد اڑھائی سو سے آگے نہیں بڑھی اور جسے فریدی نے اسی وقت ان چاروں آدمیوں میں تقسیم کر دیا۔

”اب بتاؤ۔“ فریدی پھر اس کے چہرے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ ”یہ نوٹ تمہیں کہاں سے ملے تھے؟“

اس نے جواب نہیں دیا۔ اس طرح چپ سادھ لی تھی جیسے گونگا ہو۔ فریدی نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ البتہ چاروں اب اسے شبے کی نظر سے دیکھنے لگے ہیں۔ دفعتاً وہ ان کی طرف مڑ کر بولا۔ ”کمانی کیلئے یہ بہترین موقع ہے اسے کہیں بند کر دینا چاہئے۔“

”کیا کرو گے؟“

”پہلے اسے کہیں بند تو کر دیں پھر بتائیں گے۔“

”تم ایسا نہیں کر سکتے۔“ اجنبی نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”کمانی کیا کرو گے؟“

”ہم کر لیں گے بیٹا..... تم اپنی چونچ بند رکھو۔“ فریدی نے ایک بھدا سا تہقہ لگایا۔

اتنے میں سرائے والی غل غپاڑہ مچاتی ہوئی وہاں آ گئی۔

”کیا شور مچا رکھا ہے تم لوگوں نے۔“

”ارے..... جاؤ..... کچھ نہیں ہم لوگ بگڑی بنا رہے ہیں یہ لو۔“ فریدی اسے دس دس کے

تین نوٹ دیتا ہوا بولا۔ ”چپ چاپ جا کر سو جاؤ۔“

”ابھی کیسے سو جاؤں..... کئی حرامیوں الاخیروں نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔“

”اچھا..... بس اب جاؤ۔“ فریدی برا سامنہ بنا کر ہاتھ جھٹکتا ہوا بولا۔

”یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔“ دفعتاً اجنبی نے چیخ کر کہا۔

”تو تم یہاں آئے کیوں ہو..... حرام کے جنو۔“ اس نے لاپرواہی سے کہا اور مٹکتی ہوئی چلی

گئی..... پھر ان لوگوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ اجنبی کو دھکیل کر ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔

اسکے ہاتھ پیر باندھ دیئے گئے تھے اور منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا تا کہ وہ شور نہ مچا سکے۔
پھر وہ چاروں فریدی کے بولنے کا انتظار کرنے لگے۔

”سنو دوستو!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ایسے مواقع روز روز ہاتھ نہیں آتے..... اگر ہم نے ان لوگوں کو جکڑ لیا تو مالا مال ہو جائیں گے۔ ہمیشہ لمبے ہاتھ مارنے کی فکر میں رہا کرو۔“
”بات بھی تو بتا یا مرے۔“ ایک نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ہمیں ان لوگوں کا پتہ لگانا پڑے گا جو نقلی نوٹ بناتے ہیں۔“

”تب پھر تم ہمیں پولیس میں بھرتی کرادو۔“ دوسرے نے قہقہہ لگایا۔

”تم سمجھتے نہیں..... ہم پولیس کو اسکی ہوا بھی نہ لگنے دیں گے۔ خود کمائی کریں گے کیا سمجھتے۔“

”کچھ نہیں سمجھتے یار..... پھر کوشش کرو۔“ ایک نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”ہم تمہیں اچھی طرح

سمجھتے ہیں۔ تم جاسوس ہو..... اور اب یہاں سے بچ کر نہیں جاسکتے۔“

وہ فخریہ انداز میں سینہ تانے فریدی کے سامنے کھڑا تھا اور اس کے بقیہ تین ساتھیوں نے اپنی دانست میں فرار کی ساری راہیں مسدود کر دی تھیں۔

”تم لوگ پاگل ہو گئے ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اگر میں جانا چاہوں تو تمہارے فرشتے بھی نہ روک سکیں گے۔ ہماری دوستی بالکل نئی ہے۔ اگر تم لوگ میرے ہاتھوں زخمی ہوئے تو مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا۔“

سامنے کھڑے آدمی نے فریدی پر ہاتھ چھوڑ دیا لیکن وہ اسی کے ایک ساتھی کے سر پر پڑا۔
فریدی ان کے زرنے سے دور کھڑا مسکرا رہا تھا۔

ایک بار پھر اس نے کہا۔ ”وہم میں نہ پڑو..... اب بھی میرا دل تمہاری طرف سے برا نہیں ہوا۔ ویسے تم مجھے کبھی نہ پاسکو گے۔ میں تم جیسے چالیس آدمیوں کو اسی طرح جھکاتا ہوا بھوری پہاڑیوں تک پہنچ جاؤں گا۔“

وہ چاروں بے حس و حرکت کھڑے رہے۔ فریدی پھر بولا۔ ”میں کوشش کرتا ہوں کہ قتل سے بچ سکوں مگر میری تقدیر..... میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ تم لوگ مجھے اس پر مجبور کر دو گے اور مجھے زندگی بھر کو قتل رہے گی کہ میں نے کسی کو دوست کہہ کر قتل کر دیا۔“

اس نے جیب سے چاقو نکال کر کھولا..... کرکراہٹ کی آواز سنانے میں گونج کر رہ گئی۔ پھر

اس نے کہا۔ ”تم لوگ بھی اپنے چاقو نکال لو..... میں تمہیں ایک شاندار کھیل دکھاؤں گا۔“

”نہیں دوست.....!“ لمبے آدمی نے آہستہ سے کہا۔ ”چاقو رکھ لو۔ ہم غلطی پر تھے۔“

فریدی چاقو کا پھل چوم کر اسے بند کرتا ہوا بولا۔ ”خدا کا شکر ہے۔“

”خدا کا شکر ہے۔“ چاروں نے بیک وقت دہرایا۔ پھر ایک ایک کر کے وہ چاروں اس سے

بغل کیر ہوئے۔

”اب پھر ہمیں معاملے کی بات کرنی چاہئے۔“ فریدی نے درمی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”میں نے

ہمیشہ لمبے ہاتھ مارے ہیں۔ بہت اونچے قسم کے معاملات میں شریک رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ

آدمی ان لوگوں کے لئے صرف کام کرتا ہوگا جو جعلی نوٹ بناتے ہیں۔ بنانے والے خود کبھی انہیں

بازار میں نہیں پھیلاتے۔ یہ کام ان کے ایجنٹ کرتے ہیں۔ بنانے والوں کا کام تو نقلی کے عیوض اصلی

کرنی سمیٹنا ہوتا ہے۔ اگر کسی طرح ہم ان لوگوں تک پہنچ جائیں تو انہیں بلیک میل کر سکتے ہیں۔“

”بلیک میل کیا ہوتا ہے۔“ لمبے آدمی نے پوچھا۔

”کسی کو ڈرا دھمکا کر روپیہ وصول کرنے کو کہتے ہیں۔ ہم انہیں پولیس کا خوف دلا کر ان سے

بڑی بڑی رقمیں اینٹھیں گے..... کیا سمجھے۔“

”اگر انہوں نے نقلی ہی نوٹ تمہا دیئے تو۔“

”میں کہیں مر گیا ہوں..... تم نے دیکھا کہ میں نے ایک ہی جھلک دیکھ کر تاز لیا تھا کہ نوٹ

نقلی ہیں۔“

”اچھا..... اور..... تمیں ہزار۔“

”انہیں جلادیں گے..... کچا کام کبھی نہ کرنا چاہئے۔ پولیس سے بچنا ہی چاہئے۔“

”ٹھیک ہے..... اچھا تو چلو اس سے پوچھیں۔“

”تھہرو..... پہلے ایک بات کا فیصلہ کر لو۔“

”کہہ ڈالو.....!“ لمبے آدمی نے کہا۔

”تمہیں ہر حال میں میری بات ماننی پڑے گی تم اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکو گے۔“

”منظور ہے پارٹنر.....!“ وہ فریدی کے ہاتھ پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔ ”ایسے دوست کہاں ملتے

ہیں۔“

نئی راہ پر

حمید نے اخبار اٹھایا اور اس کی نظر سب سے بڑی سرخی پر جم گئی۔

”دشمنوں کو دوست بنانے والا خود ہی کسی کی دشمنی کا شکار ہو گیا۔“ اور پھر نیچے دی ہوئی تفصیل

بڑی سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ یہ ڈاکٹر سلمان کی کار کی پر اسرار کہانی تھی جسے کوئی کٹل بالا سے لے بھاگا تھا..... ڈاکٹر سلمان کو وہاں سے گھر تک ٹیکسی میں آنا پڑا اور جب وہ گھر پہنچا تو اسے پھانک کے

سامنے اپنی کار چلی ہوئی ملی..... حمید کا خیال فریدی کی طرف گیا۔ وہ یقین کرنے پر مجبور تھا کہ یہ حرکت فریدی ہی کی تھی۔ وہ اکثر ایسے ہی بے نکلے کام کر گذرتا تھا..... بظاہر وہ بے نکلے ہوتے، لیکن

حمید کی نظر سے آج تک کوئی ایسا واقعہ نہیں گذرا تھا جس کے نتائج دور رس نہ ثابت ہوئے ہوں.....

حمید نے اس خبر کو کئی بار پڑھا..... پھر باہر جانے کے لئے تیاری کرنے لگا۔ لیکن اسی دوران میں کچھ

اس طرح خیالات میں گم ہوا کہ آدھے کپڑے جسم پر اور آدھے کرسی کی پشت گاہ پر پڑے رہ گئے۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اب ایک دلچسپ ڈرامہ ہوا ہے۔ ایسا دلچسپ کہ شائد زندگی میں ایک ہی بار اس

سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملے۔ وہ خود کو کرنل فریدی کا دشمن ظاہر کر رہا تھا مگر وہ تجربہ کیا تھا، جو

اس پر اس زمین دوز دنیا میں کیا گیا تھا۔ وہ لوگ سارے کام سائنٹیفک اصولوں پر کرتے تھے۔ لیکن

یہ کس اصول کے تحت ہو سکتا ہے کہ حمید صرف ایک آدمی سے سالہا سال کے تعلقات ختم کر کے اس کا

دشمن ہو جاتا۔ یہ کسی جادوگر کا کمال تو ہو سکتا ہے لیکن شائد سائنس سے اس کا دور کا بھی علاقت نہ

ہوتا..... کافی سوچ بچار کے بعد یہ بات حمید کی سمجھ میں آئی کہ اس تجربے کا مقصد کچھیلی ذہنی زندگی کو

متاثر کرنا بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی پچھلے تمام تر تعلقات کے سلسلے میں دشمنی کے جذبات کا ابھارنا..... تو

اس طرح صرف فریدی کے خلاف بغض و عناد کا اظہار یقیناً بے نکل ہوتا۔ اس نے سوچا کہ اب اسے

سارے پرانے تعلقات پر دشمنوں کی طرح نظر ڈالنی چاہئے کیوں نہ اس سلسلے میں روجی ہی سے

شروعات کی جائے۔ یقیناً اس چیز کی بے تحاشہ پہلٹی ہوگی اور اس کا مطلع نظر بھی یہی تھا کہ کسی طرح

تنظیم کے آدمیوں تک اس کے بدلتے ہوئے رجحانات کی اطلاع پہنچ جائے۔

وہ تھوڑی دیر خاموش بیٹھا رہا..... پھر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ دکھائی دی۔ اس

نے بلیرڈ روم سے بلیرڈ کھیلنے کی ایک لکڑی حاصل کی اور باہر برآمدے میں آ گیا۔ جہاں روتی، نوشابہ اور قاسم تاش کھیل رہے تھے۔ وہ حمید کو بھی اپنی تفریحات میں شریک کرنا چاہتے مگر حمید انکار کر دیتا۔ ان سے الگ تھلک گم سم بیٹھا رہتا۔ قاسم کو بھی اس کے اس رویہ پر حیرت تھی..... بہر حال اب وہ روتی اور نوشابہ کا بلا شرکت غیرے مالک بن بیٹھا تھا..... روتی بہت کم گھر سے نکلتی..... زیادہ وقت انہیں لوگوں میں گذارتی۔ شاید اسی کی خاطر نوشابہ نے بھی اپنے اسکول سے ایک ماہ ٹی چھٹی لے لی تھی۔

اس وقت بھی انہوں نے حمید کو برآمدے میں آتے دیکھ کر چپکارتی ہوئی آوازوں سے اس کا استقبال کیا لیکن حمید کی پیشانی پر پڑی ہوئی سلوٹیں کسی طرح بھی رفع نہ ہوئیں۔

وہ چپ چاپ قاسم کی کرسی کی پشت پر کھڑا ہو گیا۔ وہ لوگ کھیلنے رہے۔ دفعتاً حمید نے روتی سے کہا۔ ”یہ اُلوکا پٹھا..... تمہارے کارڈ دیکھ رہا ہے۔“

”قون.....!“ قاسم چونک پڑا پھر ہنس کر بولا۔ ”نہیں تم کیوں جھوٹ بولتے ہو۔“

مگر اس کی ہنسی دیر تک قائم نہ رہ سکی کیونکہ حمید کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ قاسم کو گالیاں دیتے دیتے خاموش ہو گیا ہو۔ قاسم کو فوراً ہی یاد آ گیا کہ حمید نے اسے اُلوکا پٹھا کہا تھا۔ اس نے جھپٹی ہوئی نظروں سے نوشابہ اور روتی کی طرف دیکھا۔ وہ بھی متحیر انداز میں حمید کو دیکھ رہی تھیں۔ حمید قاسم کو اس طرح گھور رہا تھا جیسے چوری سے کسی کے کارڈ دلچے لینا قتل کر دینے کے مترادف ہو۔

”اے تم ہوش میں ہو یا نہیں۔“ قاسم غرا کر کہنا ہو گیا۔

”چپ رہو بدتمیز.....!“ حمید نے جھوٹے سی لہجے میں اس لے سر پر زبردی۔

”ہائیں.....!“ قاسم نے ہنسا ہنسا ہنسا سے سر پلٹ لیا اور اس کی آنکھیں اپنی جگہ سے

نکلتی ہوئی معلوم ہونے لگیں۔ اس پر حیرت اور غصے نے بیک وقت حملہ کیا تھا۔

نوشابہ اور روتی بھی بولہلا لڑ لڑی ہو گئیں تھیں۔

”کینے..... کتے۔“ حمید نے بارہ لکڑی گھمائی اور وہ اس بار قاسم کے شانے پر پڑی اور

قاسم کھوپڑی سے باہر ہو گیا۔

”مار ڈالوں گا.....!“ وہ ہاڑتا ہوا حمید کی طرف لپکا۔ لیکن حمید نے جھکائی دے کر پھر ایک

لکڑی رسید کر دی۔

”ابے پاگل ہو گیا ہے..... مار ڈالوں گا۔“ اس بار قاسم نے پوری قوت سے حملہ کیا لیکن چوٹی لکڑی بھی اس کے مقدر میں تھی۔

”یہ کیا ہو گیا ہے آپ کو۔“ روجی نے چیخ کر کہا۔

”شٹ اپ.....!“ حمید نے اس کی طرف بھی لکڑی گھمائی اور وہ برآمدے کے ستون پر پڑی۔ قاسم کا دوسرا حملہ اسے برآمدے سے نیچے لے گیا۔ جیسے ہی قاسم زمین پر گرا..... حمید نے دو تین لکڑیاں اور رسید کر دیں۔

غصے کی وجہ سے قاسم کی حالت دگرگوں تھی۔ وہ پھراٹھا اور زمین سے بڑے بڑے پتھر اٹھا کر حمید پر پھینکنے لگا۔ وہ حمید کی طرح اچھل کود نہیں سکتا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے حمید نے ریوا اور نکال لیا اور برآمدے میں کھڑی ہوئی عورتیں چیخنے لگیں۔ حمید نے فائر کر دیا۔ قاسم چیختا ہوا زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ حالانکہ یہ حقیقت تھی کہ گولی اس کے سر سے ایک فٹ اونچی گئی تھی۔

پھر اس نے ایک فائر برآمدے کی طرف بھی کیا۔ کسی دروازے کا شیشہ جھنجھنا کر چور ہو گیا اور دونوں عورتیں چیختی ہوئی ایک دوسرے پر گرنے لگیں۔

اس کے بعد حمید دو ہی تین جستوں کے بعد پائیں باغ کے باہر تھا۔ وہ پوری قوت سے سڑک پر دوڑتا رہا لیکن اس کے پیچھے دوڑنے والا کوئی نہیں تھا۔ روجی کے نوکران لوگوں کو سنبھالنے میں لگ گئے تھے۔

تقریباً دو تین فرلانگ تک وہ ایک ہی رفتار سے دوڑتا رہا..... پھر اس کی سانس پھول گئی۔ چونکہ وہ اترائی تھی اس لئے اتنی دور تک چلا بھی آیا تھا۔ ورنہ چڑھائی پر اس طرح دوڑنا ناممکن ہوتا..... وہ سڑک کے کنارے ایک چٹان سے ٹک کر دم لینے لگا۔

یہاں سے شہر تک پہنچنا بھی ایک مشکل مسئلہ تھا۔ وہ جلد از جلد ان اطراف سے نکل جانا چاہتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ روجی اس واقعے کی اطلاع ماتھر کو ضرور دے گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب تک اسے مطلع کر بھی چکی ہو کیونکہ کوٹھی میں فون موجود تھا۔

وہ پھراٹھا اور چلنے لگا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں قاسم ہی اس کی تلاش میں نہ چل پڑے۔ اب وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان لوگوں سے دوبارہ مدد بھیڑ ہو۔ لہذا وہ سڑک کے بائیں جانب والے نشیب

میں اترنے لگا۔ دفعتاً اسے کسی گاڑی کی آواز سنائی دی۔ مگر وہ کسی ٹرک ہی کی کرخت آواز ہو سکتی تھی۔ روٹی کی اسٹیشن دیکھن بے آواز تھی۔ حمید چلتے چلتے رک گیا۔ موٹر پر اسے ٹرک کا اگلا حصہ دکھائی دیا اور حمید پھر بڑی پھرتی سے سڑک پر آ گیا۔ ہاتھ اٹھا کر ٹرک رکوائی اور جھنجھلائے ہوئے ڈرائیور کو کسی نہ کسی طرح اس بات پر آمادہ کر ہی لیا کہ وہ اسے شہر پہنچا دے اور اس کے عیوض اس نے دس دس کے دونوٹ ڈرائیور کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ اس نے اسے اپنے پاس ہی بٹھالیا اور حمید بڑبڑانے لگا۔ ”یہ سارے دوست بھی بڑے کمینے ہوتے ہیں۔ ایسا مذاق کرتے ہیں کہ گولی مار دینے کو جی چاہتا ہے۔“

ڈرائیور جو اسے شے کی نظر سے دیکھ رہا تھا ہوا۔ ”کیوں صاحب.....“

”ارے ہم جارہے تھے کچنک پر چھلموار.... راستے میں پیشاب کے لئے مجھے اترنا پڑا۔ کم

بخت گاڑی نکال لے گئے۔ میں وہیں کا وہیں رہ گیا۔ خدا غارت کرے۔“

ڈرائیور ہنسنے لگا اور غالباً اس کے شکوک و شبہات ختم ہو گئے۔

شہر پہنچ کر حمید نے ڈاکٹر سلمان کی کوٹھی کی راہ لی۔ چار بج چکے تھے اسے وہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگی کیونکہ شہر پہنچتے ہی اس نے ایک ٹیکسی لے لی تھی۔ آتش زدہ کاراب بھی پھانک کے سامنے موجود تھی۔ اسے اس جگہ سے ہٹا کر کہیں اور نہیں لے جایا گیا تھا۔ حمید ٹیکسی سے اتر کر پھانک کی طرف بڑھا اور نہایت اطمینان سے باغ کی روش پر ٹھٹھا ہوا پورچ کی طرف جانے لگا۔ پوری عمارت پر سکون طاری تھا۔ شاید ادارہ روابط عامہ کا دفتر بھی بند ہو چکا تھا۔

حمید نے جیسے ہی پورچ میں قدم رکھا اس کی عاقبت روشن ہو گئی۔ پام کے بڑے گلے پر ایک پیر رکھے اور ستون سے ٹیک لگائے ایک بڑی خوبصورت لڑکی خلاء میں گھور رہی تھی۔ وہ یقیناً خوبصورت تھی اور اس کی آنکھیں خواب ناک سی تھیں۔ خفیف سے کھلے ہوئے ہونٹوں کے درمیان سفید دانتوں کی چمکدار لکیر جھانک رہی تھی اور ایک آوارہ سی لٹ اس کے بائیں گل پر جھول گئی تھی۔ حمید کو دیکھ کر وہ سیدھی کھڑی ہو گئی۔

”میں ڈاکٹر سے ملنا چاہتا ہوں۔“ حمید نے بڑی شائستگی سے کہا۔

لڑکی چند لمحے خاموش کھڑی رہی پھر بولی۔ ”کیوں ملنا چاہتے ہیں؟“

اس کا لہجہ حمید کو اچھا نہیں لگا لیکن پھر بھی اس نے اپنی پہلی سی شائستگی کے ساتھ جواب دیا۔

”یہ انہیں معلوم ہے۔“

”وہ گھر میں موجود ہیں مگر نہیں ملیں گے۔“ لڑکی نے کہا اور برابر بولتی رہی۔ دم لئے بغیر پھر ایک لٹلے کے لئے رکی اور اس طرح سر جھکا کر گردن اکڑائی جیسے تھوک ٹنگنے کے لئے رکی ہو۔ اس کے بعد پھر زبان چل پڑی۔ ”آدمی کتے سے برتر نہیں ہوتا۔ مجھے آدمیوں سے نفرت ہے۔ بھائی جان ماہر نفسیات ہیں۔ اخبار والے بھی اتنے کتے ہیں کہ ان پر طنز کر رہے ہیں۔ دشمنوں کو دوست بنانے والا خود ہی کسی کی دشمنی کا شکار ہو گیا۔ اہنت ہے اس کالی سفاقت پر، ہمدردی ظاہر کرنے کے بجائے طنز کرتے ہیں کتے..... آپ تشریف لے جائیے۔ بھائی جان..... آپ سے نہیں ملیں گے۔“

”آپ آدمی کو کتا سمجھتی ہیں۔“ حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”ہاں..... میں سمجھتی ہوں..... پھر.....!“

”تب ہم دونوں کے خیالات میں بہت تھوڑا فرق ہے۔ میں آدمی کو گدھا سمجھتا ہوں۔“

”آپ غلط سمجھے..... ہمارے خیالات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔“

”کیوں..... میں غلط کیوں سمجھا ہوں۔“

”گدھے ایک دوسرے پر حملہ نہیں کرتے۔“

”معاف کیجئے گا..... آپ گدھوں کے متعلق کچھ نہیں جانتیں۔“

”آپ کیا بکواس کر رہے ہیں۔“ لڑکی کی آواز غصیلی ہو گئی۔ ”آپ میری معلومات کو پیش نہیں

کر سکتے۔“

”میں کر سکتا ہوں..... میں گدھوں پر اتھارٹی ہوں۔ خیر اگر آپ کی معلومات گدھوں کے

متعلق بہت وسیع ہیں تو یہی بتا دیجئے گا کہ گدھے کس عمر میں بالغ ہوتے ہیں؟“

”میں نہیں جانتی..... آپ چلے جائیے۔“ وہ جھنجھلا گئی۔

”میں ڈاکٹر سلمان سے ملے بغیر نہیں جاؤں گا۔“

لڑکی پیر پختی ہوئی اندر چلی گئی۔ حمید سمجھا شاید وہ ڈاکٹر سلمان کو اطلاع دینے گئی ہے لیکن جب پانچ منٹ تک اسے یونہی کھڑا رہنا پڑا تو اس نے یہ خیال ترک کر دیا کہ لڑکی نے ڈاکٹر سلمان سے اس کا تذکرہ بھی کیا ہوگا۔

وہ پھر برآمدے میں پہنچ کر گھنٹی کا بٹن دبانے لگا۔ جلد ہی دروازے میں ایک ملازم کی شکل

دکھائی دی۔ حمید نے اسے اپنا کارڈ دیا۔ پھر اسے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ نوکر نے واپس آ کر اسے ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا۔

ڈاکٹر سلمان بھی ڈرائنگ روم میں جلد ہی آ گیا۔ حسب معمول اس وقت بھی اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔

”کہئے کیپٹن کیسے تکلیف فرمائی۔“ اس نے حمید سے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔

”سب سے پہلے تو میں آپ کے اس انتہا پر افسوس ظاہر کروں گا۔“

”اوہ.....!“ ڈاکٹر سلمان نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ”جانے بھی دیجئے..... اگر ایک آدمی یا

آدمیوں کو اسی سے کچھ قلبی سکون حاصل ہوا ہو تو یہ سودا میرے لئے مہنگا نہیں۔“

”آپ سچ مچ دیوتا ہیں۔“ حمید اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

”نہیں کیپٹن میں صرف انسان ہوں۔“

”اگر انسان بھی ہیں تو میں آپ کو سپر مین کہوں گا۔“

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں ایک معمولی آدمی ہوں۔ ہاں فرمائیے..... میرے اائق

کوئی خدمت۔“

حمید کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ آہستہ سے بولا ”میں تو سمجھا تھا کہ آپ

سچ مچ مجھ سے نہ ملیں گے۔“

”کیوں.....؟“ ڈاکٹر سلمان چونک کر اسے گھورنے لگا۔

”وہ ایک صاحبہ باہر ملی تھیں۔ بڑی دیر تک مجھے دھتکارتی رہیں۔ پھر اندر چلی گئیں۔ وہ کہہ

رہی تھیں کہ آپ اب کسی سے نہ ملیں گے اور آدمی دراصل کتا ہے۔“

”اوہ.....!“ ڈاکٹر سلمان نیک بیک مغموم نظر آنے لگا۔ چند لمبے خاموش رہا پھر بولا۔

”مجھے افسوس ہے کیپٹن..... وہ میری بہن سا حراہ رہی ہوں گی۔ جتنا میں انسان ہوں، اتنی ہی

وحشی ہے وہ۔“

”کوئی بات نہیں..... کوئی بات نہیں۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔

”نہیں کیپٹن..... میں اس کے لئے بہت مغموم رہتا ہوں۔“

پھر کمرے کی فضا پر گہری خاموشی مسلط ہو گئی۔

”میں دراصل.....!“ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”اپنی زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔“

”نہیں..... ایسا نہ کہئے۔ قوم کی بہت سی امیدیں آپ کی ذات سے وابستہ ہیں۔“

”اس لئے میں خودکشی کر لینا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنے تمام دوستوں سے نفرت ہو گئی ہے۔ میں ہر ایک کے متعلق سوچتا ہوں کہ اسے کوئی نہ کوئی نقصان پہنچا دوں۔“

”آپ صرف اپنے ماحول سے اکٹھا ہٹ کے شکار معلوم ہوتے ہیں اور یہ کوئی مستقل ذہنی مرض نہیں ہے جس کے لئے آپ پریشان ہوں۔“

”یہاں میں آپ سے متفق نہیں ہو سکوں گا۔ آپ مجھے کسی طرح بھی مطمئن نہ کر سکیں گے۔ کیونکہ ماحول سے اکتائے ہوئے لوگ کوئی خطرناک قدم نہیں اٹھا سکتے۔“

”میں نہیں سمجھا کیپٹن۔“ ڈاکٹر سلمان اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔

”آج میں نے اپنے تین دوستوں پر گولیاں چلائی ہیں اور میں نہیں جانتا کہ وہ زندہ ہیں یا مر گئے۔“

”نہیں.....؟“ ڈاکٹر سلمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

”ہاں ڈاکٹر..... یقین کیجئے، کچھ تعجب نہیں کہ اس وقت تک رام گڈھ کی پولیس میرے خلاف حرکت میں آگئی ہو..... میں نے روجی، اس کی کرایہ دار نو شاہ اور اپنے دوست قاسم پر گولیاں چلائی تھیں۔“

”کہاں.....؟“

”روجی کی کوٹھی میں..... میرا قیام چند گھنٹے پہلے وہیں تھا۔“

”ادہ تب تو یہ واقعی بہت بُرا ہوا..... ٹھہریئے..... میں فون.....!“

”نہیں ڈاکٹر..... آپ پوچھ گچھ کرنے کی کوشش نہ کیجئے گا۔ اگر آپ کو میرے بیان پر شبہ ہے تو وہ کل صبح تک رفع ہو جائے گا۔ اخبارات میں خبر ضرور آئے گی۔“

”خبر جانے دیجئے..... ہو سکتا ہے پولیس کو کسی قسم کا شبہ ہو جائے۔“

”یہی مطلب ہے اور پھر کرنل فریدی بھی یہیں کہیں مقیم ہے۔ اگر اسے معلوم ہو گیا کہ میں

کہاں ہوں تو میرا رخ ٹھیک پھانسی گھر کی طرف ہو گا۔“

”کرنل فریدی ہیں کہاں.....؟“

”کاش میں جانتا ہوتا..... وہ اب تک مجھ سے فراڈ کرتا رہا ہے۔ مجھے ہر خطرناک موقع پر قربانی کا بکرا بنانا رہا ہے۔ میں جب اس کی پچھلی حرکتوں پر غور کرتا ہوں تو میرا خون کھولنے لگتا ہے۔“

”تو کیا آپ کرنل فریدی پر بھی اسی طرح حملہ کر سکتے ہیں۔“

”ہاں ڈاکٹر..... میں یہی محسوس کرتا ہوں۔ وہ جب بھی سامنے آیا اس کی کھوپڑی اڑا دوں

گا..... خواہ شارع عام ہی پر مجھے ریوالور نکالنا پڑے۔“

ڈاکٹر سلمان کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”اگر یہ صحیح ہے کہ آپ نے ان

تینوں پر گولیاں چلائی ہیں تو اب آپ کا کیا پروگرام ہے۔“

”مجھے پولیس سے چھپنا پڑے گا اس وقت تک جب تک کہ فریدی کا کام تمام نہیں کر لیتا۔ اس

کے بعد خواہ مجھے کتوں سے نچوا ڈالا جائے مجھے پرواہ نہ ہوگی۔“

”کیپٹن میں تمہارا علاج کروں گا۔ یہ کیس میرے لئے بالکل اٹوکھا ہے۔ اس کیلئے میں پولیس

کا خطرہ بھی مول لے سکتا ہوں۔ یعنی آپ یہیں قیام کریں گے۔“

”نہیں ڈاکٹر میں آپ کو کسی مصیبت میں نہیں پھنسانا چاہتا۔“

”دیکھئے۔ اگر میں آپ کو مجرم سمجھتا ہوتا تو آپ اس وقت یہاں نہ دکھائی دیتے۔ مگر میں سمجھتا

ہوں کہ جس وقت آپ نے ان لوگوں پر گولی چلائی تھی ہوش میں نہیں تھے۔“

”وقتی نہیں..... مجھے بس اتنا ہی یاد ہے کہ میں نے ان پر فائر جھونک مارے تھے اور اس کے

بعد وہاں سے بھاگ نکلا تھا۔ میرا سارا سامان بھی وہیں رہ گیا ہے۔“

”تو آپ یہاں رام گڈھ کس طرح پہنچے۔ کیا پیدل آئے ہیں؟“

”نہیں..... اتفاقاً ایک ٹرک مل گیا تھا۔“

”اچھا تو بس اب آپ کہیں نہیں جائیں گے۔“ ڈاکٹر سلمان نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا۔

”جیسی آپ کی مرضی۔“ حمید آہستہ سے بولا۔

”مگر کیپٹن.....!“ ڈاکٹر سلمان کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ ”آپ سیدھے یہیں

کیوں چلے آئے۔ آپ کو یقین تھا کہ آپ کے ساتھ یہی برتاؤ کروں گا۔“

”ہاں مجھے یقین تھا۔“

”آخر کس بناء پر.....؟“

”میں نہیں جانتا..... میرا دل کہتا تھا کہ آپ اس حال میں بھی مجھ سے انسانیت ہی کا برتاؤ کریں گے۔“

”گویا..... یہاں بھی آپ بیہوشی ہی کے عالم میں آئے ہیں۔“ ڈاکٹر سلمان نے کہا۔
 ”کیوں..... نہیں تو..... بھلا میں بیہوشی کے عالم میں ٹرک ڈرائیور سے باتیں کیسے بناتا۔“
 پھر حمید نے اسے بتایا کہ اس نے کس طرح ٹرک ڈرائیور کو یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ اس کے بعد وہ اس سے وہاں شرارتا چھوڑ گئے تھے۔

”یہ ایک بہت زیادہ الجھا ہوا نفسیاتی کیس ہوگا۔“ ڈاکٹر سلمان نے تشویش کن لہجے میں کہا۔
 چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ ”کیا کبھی آپ کے دل میں میرے خلاف نفرت کے جذبات بھی پیدا ہوئے تھے۔“

”بلاشبہ پیدا ہوئے تھے۔“ حمید نے اعتراف کیا۔
 ”کیوں.....؟“

”میرا خیال تھا کہ ادارہ روابط عامہ فراڈ ہے۔ آپ نے روجی سے روپے وصول کرنے کے لئے خود ہی اس پر حملے کرائے تھے۔ یقیناً اس وقت دل میں آپ کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا ہوئے تھے۔ مگر اب نہ جانے کیوں میں سوچتا ہوں کہ آپ تو دیوتا ہیں۔ بیسیویں صدی کے گوتم بدھ۔“

”میرے خدا.....!“ ڈاکٹر سلمان ہنسنے لگا۔ ”آپ میری طرف سے اتنے بدگمان تھے۔“
 ”مجھے انتہائی ندامت ہے ڈاکٹر۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے یہ بات آپ پر کیوں ظاہر کی۔ شاید میں اب بھی ہوش میں نہیں ہوں۔“

حمید خاموش ہو کر مضطربانہ انداز میں اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ”اب میں سوچ رہا ہوں کہ دوسری بات بھی آپ کو بتاؤں یا نہ بتاؤں۔“
 ”دوسری بات کون سی ہے۔“ ڈاکٹر سلمان آگے بھٹک آیا۔
 ”کرنل فریدی سے متعلق ہے۔“

”ضرور بتائیے۔“

”اس نے آپ کے متعلق ایک بہت بڑا شبہ ظاہر کیا تھا۔“

”وہ کیا.....؟“

”یہی کہ آپ طاقت کی تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں۔“

”میں نہیں سمجھا..... طاقت کی تنظیم..... کیا مطلب.....؟“

”میں نہ جانے کیا بک رہا ہوں ڈاکٹر..... کچھ نہیں..... یہ سب کچھ آپ کی شان میں بہت

بڑی گستاخی ہے۔“ حمید دفعتاً اپنے بال نوچنے لگا۔

”اوہو..... اوہو.....!“ ڈاکٹر سلمان جلدی سے اٹھ کر اس کے ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔ ”مت

سوچئے وہ باتیں..... جن سے آپ کو الجھن ہوتی ہے۔ چلئے میں آپ کو وہ کمرہ دکھا دوں جہاں آپ

کا قیام ہوگا۔“

دوسری آگ

فریدی نے اس جلسہ کو اس لئے نہیں پکڑا تھا کہ ان بدمعاشوں پر اس کا رعب پڑے۔ بلکہ آج کئی ماہ اسے اس قسم کے جعلی نوٹ بازار میں پھیل رہے تھے لیکن ابھی تک کوئی ایسا آدمی نہیں پکڑا جا سکا تھا جس کے پاس سے زیادہ تعداد میں نوٹ برآمد ہوتے۔ ویسے لاکھوں روپیوں کی جعلی کرنسی بازار میں موجود تھی۔

طاقت کی تنظیم کا دوبارہ سراغ ملتے ہی فریدی نے سوچا تھا ممکن ہے اس حرکت کا تعلق بھی اسی سے ہو۔ کیونکہ اتنے پر اسرار طریقے پر جعلی کرنسی کا پھیلا دینا معمولی آدمیوں کے بس کا روگ نہیں اور پھر وہ جعلی کرنسی بھی ایسی ہی تھی کہ ماہرین کے علاوہ شاید ہی کوئی اس کی شناخت کر سکتا۔

بہر حال یہ پہلا ہی آدمی تھا جس کے پاس اتنی زیادہ تعداد میں اسی قسم کے جعلی نوٹ ملے تھے۔ پچھلی رات اس نے اس آدمی کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ سب کچھ اگلے دے اور اس کی تدابیر اس سلسلے میں کارگر ہی ہوئی تھیں۔

اس نے صبح تک اُسے بند رکھا اور پھر چھوڑ دیا مگر نوٹ اسے واپس نہیں کئے۔ صرف اتنا روپیہ اسے دیا گیا تھا کہ وہ رام گڈھ سے باہر چلا جائے اور فریدی نے سرائے ہی کے بد معاشوں میں سے ایک کو اس کے پیچھے لگا دیا تھا کہ وہ اس کی نقل و حرکت پر نظر رکھے۔ یعنی وہ اس کے مشورے پر رام گڈھ سے باہر جاتا بھی ہے یا نہیں۔

اُس نے ایک عمارت کا پتہ بتایا تھا جہاں سے جعلی نوٹ آدھی قیمت پر دستیاب ہوئے تھے۔ اب فریدی نے ان چاروں آدمیوں کو اس نئے کام سے متعلق ٹریننگ دینی شروع کی اور جلد ہی اندازہ کر لیا کہ وہ کام کے ثابت ہو سکیں گے۔

وہ عمارت جس کا پتہ اس نے بتایا تھا سرائے سے زیادہ دور نہیں تھی اور وہاں رام گڈھ کی ایک بدنام ترین متمول عورت رہتی تھی۔ وہ چاروں تو اس کا نام ہی سن کر کانپ گئے تھے انہوں نے اسے بتایا کہ وہ ایک خطرناک عورت ہے۔ رام گڈھ کے حکام اس کے قبضے میں ہیں اور وہ روزانہ درجنوں غیر قانونی کام کر ڈالتی ہے۔ رام گڈھ کے اونچے اونچے بد معاش اس کی مٹھی میں ہیں۔ اس کا نام سن کر انہوں نے فریدی کا ساتھ دینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ انہیں پہچانتی ہے۔ بشکل تمام فریدی نے انہیں اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ وہ لوگ پس منظر ہی میں رہ کر اس کے لئے کام کریں گے۔

فریدی اس عورت تزاریہ کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ انہیں چاروں کی زبانی اسے بہترے حالات معلوم ہوئے۔ وہ ایک مقامی رئیس کی بیوہ تھی لیکن بوریہ کی رہنے والی تھی۔ نہ صرف اردو بلکہ مشرق کی کئی زبانیں بے ٹکان بول سکتی تھی۔ کافی دولت مند تھی اور کئی مقامی حکام اس کے قرض دار تھے۔

فریدی کو اس کی شخصیت بڑی دلچسپ معلوم ہوئی۔

یہ اسی شام کی بات ہے جب حمید نے ڈاکٹر سلمان کے یہاں پناہ لی تھی۔ فریدی اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔ ”تم ڈرو نہیں..... میں رام گڈھ کے اونچے اونچے بد معاش سے ٹکرانے کی ہمت رکھتا ہوں۔“

”اگر پولیس سے مڈ بھیڑ ہو گئی تو۔“ ایک نے کہا۔ ”تزاریہ کے خلاف نہیں جائے گی پولیس۔“

”پولیس کس چڑیا کا نام ہے۔“ فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔ ”کبھی رن پڑے تو پھر دیکھنا

میرے کمال۔“

”یار تم بڑے تیس مار خاں بنتے ہو۔“ لمبے آدمی رانو نے کہا۔

”رانو..... تم مجھے نہیں جانتے۔ میں خاندانی آدمی ہوں کبھی سلطانہ ڈاکو کا نام سنا ہے۔“

”ارے واہ..... کس نے نہ سنا ہوگا۔“

”وہ میرا چچا لگتا تھا۔“

”نہیں.....!“ رانو کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”ہاں دوست! یہ سب کچھ خاندانی فیض ہے۔ چچا نے کئی گر مجھے سکھائے تھے جو آج میرے علاوہ اور کسی کو نہیں معلوم۔ پولیس سے کس طرح پچنا چاہئے اگر ساتھی غداری کریں تو انہیں مار ڈالنے کی سب سے آسان تدبیر کیا ہو سکتی ہے۔ پانی میں کم از کم آٹھ گھنٹے تک ڈوبے رہنے کے باوجود بھی زندہ رہنا..... بہتری باتیں رانو..... اور یہ سارے گر مجھ سے وہی حاصل کر سکے گا جو میرا چہیتا ہو..... آخر وقت تک میرے لئے جان لڑاتا رہے۔“

وہ چاروں خاموش رہے ابھی تک ان کی حیرت رفع نہیں ہوئی تھی۔

اسکیم کے مطابق فریدی کو سات بجے سرائے چھوڑ دینی تھی۔ ساڑھے چھ بجے وہ آدمی واپس آیا جسے اس جواری کے پیچھے لگایا گیا تھا۔ اس نے اطلاع دی کہ جواری نے رام گڈھ چھوڑ دیا ہے۔ وہ خود اسے ٹرین پر بیٹھتے دیکھ چکا تھا۔

فریدی ٹھیک سات بجے سرائے سے نکل گیا۔ وہ ابھی تک اُسی پرانے میک اپ میں تھا۔ یہاں پر اس کے پاس میک اپ کا دوسرا کوئی سامان نہیں تھا ورنہ وہ اسی جواری کے میک اپ کو ترجیح دیتا۔ حقیقتاً اسے اس وقت جو کچھ بھی کرنا تھا اسی جواری کی حیثیت سے کرنا تھا۔ اس نے اسے جعلی نوٹ حاصل کرنے کا طریقہ بتاتے ہوئے سارے مراحل سے آگاہ کر دیا تھا۔

وہ ریجنٹ سینما کے قریب پہنچا۔ اس جگہ بہت سی کاریں کھڑی تھیں پھر وہ ساڑھے سات بجے کا انتظار کرتا رہا۔ ابھی دس منٹ باقی تھے۔ اس نے ایک سگریٹ سلاگیا اور بجلی کے کھمبے سے ٹک کر کھڑا ہو گیا۔

ٹھیک ساڑھے سات بجے اس نے ہونٹ سکوز کرتیں باریسٹی بجائی۔ پاس ہی کی ایک کار سے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا گیا۔ کار میں ڈرائیور کی سیٹ پر ایک ہی آدمی تھا۔ فریدی اس کا دروازہ

کھول کر پچھلی نشست پر بیٹھ گیا اور کار چل پڑی۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد کار پھر رکی اور وہ بُری عورتوں کی بستی میں تھا۔ ڈرائیور نے ایک بالا خانے کے زینوں کی طرف اشارہ کیا۔ فریدی دروازہ کھول کر نیچے اتر اور کار آگے بڑھ گئی۔

دوسرے لمحے میں وہ زینے طے کرتا ہوا اوپر جا رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں تھے اوپر ایک ادھیڑ عمر عورت نے اس کا استقبال کیا۔

”تشریف رکھئے جناب۔“ وہ اسے اوپر سے نیچے تک دیکھتی ہوئی بولی۔ ”آپ نے غلط جگہ کا انتخاب نہیں کیا۔ ہم اعلیٰ پیمانے پر آرام و آسائش کا انتظام رکھتے ہیں۔ جس قوم یا نسل کی لڑکی جناب کو پسند ہو مجھے آگاہ کریں۔“

”میں ایسی لڑکی چاہتا ہوں جس کا نام ”ت“ سے شروع ہوتا ہے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”اوہ..... اچھا..... ٹھہریئے۔“ اس نے ایک میز کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

پھر وہ میز پر جھک کر کچھ لکھنے لگی۔ واپسی پر اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا جسے اس نے کچھ کہے بغیر فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

”شکریہ۔“ فریدی پرزے پر نظر ڈالتا ہوا بولا اور الٹے پاؤں زینوں سے نیچے اترتا چلا آیا۔ سڑک پر پہنچ کر اس نے ایک ٹیکسی لی اور ڈرائیور سے ”ہیٹل وار“ چلنے کو کہتا ہوا پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ ”ہیٹل وار“ میں زیادہ تر نچلے طبقے کے لوگ آباد تھے خال خال کوئی بڑی عمارت نظر آ جاتی تھی اور انہیں بڑی عمارتوں میں سے ایک کا پتہ لکھ کر اس عورت نے فریدی کو دیا تھا۔ ”ہیٹل وار“ تک پہنچنے میں ایک گھنٹہ صرف ہوا۔ ٹھیک اسی عمارت کے سامنے ٹیکسی رک گئی جہاں فریدی کو پہنچنا تھا۔

عمارت بڑی ضرور تھی لیکن اس کے سامنے پائیں باغ نہیں تھا۔ حالانکہ یہ چیز کم از کم رام گڈھ کے ماحول کے خلاف تھی جہاں معمولی سے معمولی عمارت بھی پائیں باغ سے محروم نظر نہیں آتی تھی۔ رام گڈھ والوں کو پھولوں اور ہریالی سے عشق تھا۔ وہ لوگ جو گلی سڑی لکڑی کی جھونپڑیوں میں رہتے تھے وہ بھی کم از کم ان پر عشق پتیاں کی ایک آدھ نیل ضرور چڑھا دیتے تھے۔

فریدی نے ٹیکسی واپسی پر کی تھی۔ اس نے ڈرائیور کو پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ وہ اُسے عمارت کے سامنے چھوڑ کر کچھ آگے بڑھ جائے گا..... اور وہیں اس کی واپسی کا منتظر رہے گا۔

صدر دروازے پر پہنچ کر اس نے دستک دی۔ دروازہ کھلا لیکن اندھیرا ہونے کی بناء پر وہ

دروازہ کھولنے والے کی شکل نہیں دیکھ سکا۔

”کیا بات ہے.....؟“ اندھیرے سے آواز آئی۔

”پانچ سو پچپن.....!“ فریدی نے جواب دیا۔

”ایک نکال دو۔“ اندھیرے میں کہا گیا۔

”چار سو چوالیس.....!“ فریدی نے شاید جوابا کہا کیونکہ لہجہ جواب ہی دینے کا سا تھا۔

”آ جاؤ.....!“ اندھیرے سے کہا گیا اور طویل راہداری میں فریدی کو نارنج کی روشنی دکھائی

دی..... وہ اندر داخل ہو گیا..... مگر اس کے دونوں ہاتھ اب بھی کوٹ کی جیبوں میں تھے۔

راہداری طے کر کے وہ ایک بڑے کمرے میں آئے جہاں بہت ہی گھٹیا قسم کا فرنیچر موجود تھا

اور فرش پر پڑے ہوئے قالین سالنورہ تھے مگر وہاں بہت زیادہ قوت کے بلب روشن تھے اور اس تیز

روشنی میں وہاں کا گھٹیا سامان اور زیادہ بد نما معلوم ہوتا تھا..... کمرے میں فریدی اور اس کے راہبر

کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

اب فریدی نے اس آدمی کو روشنی میں دیکھا جس نے دروازہ کھولا تھا۔ ایک لمبا ترنگا اور

مضبوط ہاتھ پیر کا آدمی تھا۔ گردن اور چہرے کی بناوٹ خصوصیت سے کسی گینڈے کی یاد دلاتی

تھی..... وہ فریدی کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

”ہوں.....!“ اس نے اس طرح کہا جیسے آمد کا مقصد معلوم کرنا چاہتا ہو۔ مگر فریدی نے اس

کی آنکھوں سے جھلکتی ہوئی بے یقینی صاف پڑھ لی تھی۔

فریدی مسکرا کر بولا۔ ”برنس.....!“

”اچھا..... اچھا..... تم یہیں ٹھہرو..... میں اطلاع کرتا ہوں۔“

وہ دوسرے دروازے سے نکل گیا۔ فریدی انتظار کرتا رہا۔ اس کے دونوں ہاتھ اب بھی کوٹ

کی جیبوں میں تھے۔ کچھ دیر کے بعد وہ ایک آدمی کے ساتھ واپس آیا اور دوسرا آدمی بھی آتے ہی

فریدی کو گھورنے لگا۔ یہ متوسط اور مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ عمر بھی تیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔

”کیوں..... برنس.....!“ اس نے آہستہ سے کہا۔ لیکن اس کی تیز آنکھیں فریدی ہی کے

چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

”تم لوگ وقت کیوں برباد کر رہے ہو میرا۔“ فریدی نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”آج

دلیپ نہیں آسکا..... میں آیا ہوں..... میں اس کا پارٹنر ہوں۔“

”تم پارٹنر ہو۔“ گرانڈیل آدمی مسکرایا۔

”اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھالو۔“ نئے آنے والے نے دفعتاً ریوالور نکال لیا۔

”مجھے یہ نہیں بتایا تھا دلیپ نے۔“ فریدی جھٹکے ہوئے لہجے میں بولا۔

”اب ہم بتا دیں گے، ہاتھ اٹھاؤ..... ورنہ گولی مار دوں گا۔“

فریدی کا بایاں ہاتھ عجیب سے نکلا اور ساتھ ہی داہنی جیب سے ایک فائر ہوا۔ یہ سب کچھ اتنے غیر متوقع طور پر ہوا کہ چوٹ کھائے ہوئے آدمی کو چیخنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ ریوالور اچھل کر دور جا پڑا تھا اور وہ خود اپنا زخمی ہاتھ دبائے ہوئے فرش پر آ رہا۔

فریدی ریوالور کا رخ گرانڈیل گینڈے کی طرف کئے ہوئے وہاں آیا، جہاں دوسرا ریوالور گرا تھا اور اسے اٹھا کر جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ ”میرا بزنس اسی طرح ضاٹ ہوتا ہے اور ہاں مجھے یہ یقین داانے کی کوشش نہ کرنا کہ اس عمارت میں تم دونوں کے علاوہ بھی کوئی اور موجود ہے۔“

گرانڈیل آدمی کچھ نہ بولا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے تھے اور زخمی آدمی اپنا داہنا ہاتھ دبائے کھڑا تھا۔ گولی کھال پھاڑتی ہوئی دوسری طرف کی دیوار سے جا ٹکرائی تھی اور اب فرش پر پڑے ہوئے قالین داغدار ہوتے جا رہے تھے۔

”آدمی پہچان کر ریوالور نکالا کرو دوستو۔“ فریدی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

”تم کون ہو.....؟“ گرانڈیل آدمی غرایا۔

”میں دلیپ کا پارٹنر نہیں ہوں بلکہ اس کی ہڈیاں توڑ کر یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوا ہوں اور میں بزنس کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے پچپن ہزار کی اصلی کرنسی چاہئے۔ وہ نہیں جو بازار میں پھیلاتے ہو..... غالباً اب تم میرے بزنس کی نوعیت سمجھ گئے ہو گے۔“

وہ دونوں خاموش کھڑے رہے۔ زخمی آدمی کا چہرہ زرد پڑتا جا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے ذہن سے لڑ رہا ہو۔ بہر حال اسکے متعلق فریدی کا اندازہ تھا کہ کافی جاندار آدمی ہے۔

”بزنس..... مجھے جلدی ہے۔“

”تم کون ہو؟“ گرانڈیل آدمی نے پھر پوچھا۔

”میں کوئی مشہور آدمی نہیں ہوں کہ نام بتانے سے تم مجھے پہچان لو۔ اس لئے اس کے چکر میں

نہ پڑو۔ میں بچپن ہزار کی اصلی کرنسی طلب کر رہا ہوں۔ وہ مجھے ملنے چاہئے ورنہ تمہارا سارا بزنس خاک میں مل جائے گا۔“

”ریوالور جیب میں رکھ لو۔“ گرائٹیل آدمی نے نرم لہجے میں کہا۔ ”ہم معاملے کی بات کریں گے۔“

”میں ریوالور کی نال ہی پر معاملے کی بات کرتا ہوں۔“

”تب پھر کوئی بات نہیں ہو سکتی۔“

”بات تو ہو کر رہے گی دوستو! میں جان پر کھیل کر یہاں تک پہنچا ہوں۔ خالی ہاتھ واپس نہیں جاؤں گا..... ہاں اگر تم کل تک بھی بچپن ہزار دینے کا وعدہ کرو تو یہ ممکن ہے۔“

”ہم غیر دوستانہ ماحول میں کوئی بات نہیں کریں گے۔“ گرائٹیل آدمی نے کہا۔

”قطعی دوستانہ ماحول ہے۔ ریوالور کی پرواہ مت کرو۔“ فریدی بولا۔

”اچھا تو سنو! تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تمہارے یادلپ کے کہنے پر پولیس یہاں تک

آنے کی زحمت نہیں گوارا کرے گی کیونکہ یہ عمارت ایک معزز عورت کی ملکیت ہے۔“

”میں ایک غیر معزز آدمی ہوں۔ اس لئے پولیس کے پاس کبھی نہ جاؤں گا۔“

”پھر کیا کرو گے؟“

”تمہارا بزنس چوہٹ کروں گا۔ میں ایک غیر معروف آدمی ضرور ہوں لیکن تار یہ جیسی درجنوں

عورتیں میری داشتاؤں کی حیثیت سے رہ چکی ہیں۔ اب سمجھے تم۔“

”تم بکواس کر رہے ہو۔ پتہ نہیں کس بزنس کی بات کر رہے ہو۔ میں مادام تار یہ کی غیر منقولہ

جائیداد کا فیخیر ہوں۔“

”اور تم لوگ اتنے گدھے ہو کہ تمہارے گاہکوں کو بھی اس کا علم ہے۔ یعنی وہ جانتے ہیں کہ

اس بزنس کی پشت پر کون ہے۔“

”جانتے ہوں گے۔“ اس نے اپروائی سے جواب دیا۔ ”جاؤ تم پولیس کو بھی آزاد دیکھو۔“

”تم آخر میری بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔“ فریدی نے جھلائے ہوئے لہجے

میں کہا۔

”تمہاری بات..... تم اپنی بات سمیت یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ ورنہ تھوڑی دیر بعد تمہیں یہیں

”دفن ہونا پڑے گا۔“

”یعنی کچھ لوگ باہر سے آجائیں گے۔“

”یقیناً.....!“

”ارے یار..... بڑے احمق معلوم ہوتے ہو۔ تب تو مجھے ادھر ادھر کی باتوں میں الجھائے رہنا تھا۔ میں نہایت آسانی سے تمہارے رازوں سمیت دفن ہو جاتا۔“ فریدی نے قہقہہ لگایا۔

”دفن ہو جاؤ گے۔“ گرانڈیل آدمی نے اپنے لہجے میں خود اعتمادی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

”پچپن ہزار کی بات کرو۔“ دفعتاً فریدی کے لہجے میں سفاکی جھلکنے لگی۔

گرانڈیل آدمی اسے گھورتا رہا۔

اب فریدی دوسرے آدمی سے مخاطب ہوا جس کے پیرکانپ رہے تھے اور زخم سے برابر خون بہے جا رہا تھا۔

”تم یہاں اس قالین پر لیٹ جاؤ۔“

لیکن وہ سوالیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”چلو جو کچھ کہہ رہا ہوں کرو۔ ورنہ انجام ہر حال میں خطرناک ہوگا۔ تمہیں آرام کی ضرورت

ہے..... چلو جلدی کرو۔“

وہ چپ چاپ قالین پر لیٹ گیا۔ گرانڈیل آدمی کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔

فریدی نے قالین پر لیٹے ہوئے آدمی سے کہا۔ ”اب قالین کا گوشہ اپنے اوپر ڈال کر اٹلے

چلے جاؤ..... جلدی کرو۔“

”کیا کر رہے ہو تم.....!“ گرانڈیل آدمی غرایا۔

”بندل بنا رہا ہوں..... تم خاموش رہو۔“ فریدی نے لا پرواہی سے جواب دیا۔ پھر دوسرے

آدمی سے کہا۔ ”جلدی کرو، ورنہ ٹھوکر رسید کر دوں گا۔“

وہ اپنے اوپر قالین ڈال کر الٹا چلا گیا۔ نتیجے کے طور پر بندل تیار تھا۔ فریدی نے ہلکا سا قہقہہ

لگا کر کہا۔ ”بس آرام سے پڑے رہو اگر کسی موقع پر اٹھنے کی کوشش کرو گے تو تمہاری زندگی کی ضمانت

نہ دی جاسکے گی۔“

پھر وہ گرانڈیل آدمی کی طرف بڑھا اور ریوالور کی نال اس کے سینے پر رکھ کر اس کی جامہ تلاشی

لینے لگا۔ لیکن اس کے پاس سے ریوالور یا چاقو برآمد نہیں ہوا۔

پھر وہ اس سے چھ قدم کے فاصلے پر ہٹ کر اپنا ریوالور جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔ ”آؤ اب دوستانہ فضا میں دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ میں یہاں سے خالی ہاتھ ہرگز نہ جاؤں گا۔ تم لوگوں نے بے تحاشہ دولت پیدا کی ہے۔ اس لئے کم از کم چوتھائی تو مجھے ملنا ہی چاہئے اور میں برابر وصول کرتا رہوں گا۔ مطمئن رہو۔“

”تم لوٹنے آئے ہو ہمیں۔“ گرائٹیل آدمی جو اپنے ہاتھ گرا چکا تھا۔ تھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”ہاں..... یہی سمجھ لو..... کچھ تو سمجھو۔ اتنی دیر ہوگئی سمجھاتے سمجھاتے۔“

”تم ایسا نہیں کر سکو گے۔“

”اچھا تو روک لو مجھے۔“

اچانک گرائٹیل آدمی نے فریدی پر چھلانگ لگائی۔ فریدی ایک طرف ہٹ گیا اور وہ منہ کے بل فرش پر چلا آیا۔ فریدی نے اس کے سر پر پے در پے تین ٹھوکریں رسید کیں اور اسے اٹھنے کی بھی مہلت نہ مل سکی۔ وہ کسی بھینسے کی طرح فرش پر پڑا ذکر اتا رہا..... اور پھر آہستہ آہستہ اس کی آواز دہتی گئی۔

قالین میں لپٹا ہوا آدمی پہلے ہی بیہوش ہو چکا تھا۔ دوسرے نے بھی جلد ہی ہاتھ پیر ڈال دیے۔ پھر پانچ منٹ کے اندر ہی اندر فریدی نے انہیں ایک ایسی کوٹھری میں بند کر دیا جس میں صرف ایک ہی دروازہ تھا۔

ان سے نہنے کے بعد اس نے ایک بار سارے بیرونی دروازوں کا جائزہ لے کر اطمینان کر لیا کہ اس کے کام میں کوئی خلل نہ ہو سکے گا۔

پھر عمارت کی تاشی شروع ہوگئی۔ فریدی ایک ایک چیز اور ایک ایک گوشے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس نے ایک زمین دوز تجوری کا پتہ لگالیا اس کا قفل کھولنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ فریدی ایک مشاق قفل توڑنے والا تھا۔ اس کی انہیں صلاحیتوں کی بناء پر اکثر کیپٹن حمید نے سوچا تھا کہ اگر فریدی غلط راستوں پر نکل گیا ہوتا تو حکومت کے لئے مستقل درد سر بن جاتا۔

تجوری خالی نہیں تھی۔ اس میں بڑے نوٹوں کی بے شمار گڈیاں تھیں۔ فریدی انہیں نکال نکال کر فرش پر ڈھیر کرتا رہا۔ ان میں سے تقریباً چالیس ہزار کے نوٹ اصلی ثابت ہوئے اور بقیہ سب جعلی۔

فریدی نے جلی نوٹوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے ان میں آگ لگا دی اور اصلی نوٹ اپنی جیبوں میں ٹھونس لئے۔ لیکن اب بھی اس کی تشفی نہیں ہوئی۔ اسے کسی ایسے ثبوت کی تلاش تھی جس کی بناء پر وہ اپنی ان حرکات کو حق بجانب قرار دے سکتا۔ یعنی ابھی تک وہ یہ نہیں ثابت کر سکا تھا کہ ان لوگوں کا تعلق بھی ”طاقت“ ہی کی تنظیم سے ہے۔

نوٹ آگ میں جل رہے تھے اور فریدی ان پر نظر جمائے سوچ رہا تھا کہ اگر آج کی جدوجہد کا اتنا ہی نتیجہ نکلتا تھا تو کچھ بھی نہ ہوا۔

اچانک برابر والے کمرے میں گھنٹی بجنے کی آواز آئی۔ فریدی جھپٹ کر وہاں پہنچا۔ میز پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

فریدی ریسور اٹھا کر بری طرح کھانسنے لگا۔

”ہیلو کون ہے؟“ دوسری طرف سے کسی عورت کی آواز آئی۔ سوال انگریزی میں کیا گیا تھا۔

فریدی نے کھانسیوں ہی کے دوران میں کچھ کہا۔ اس طرح کہ اس کے قریب کھڑا ہوا آدمی بھی کچھ نہ سمجھ سکتا۔

”کون..... شارٹی کیا بات ہے۔“

”لیس مآم..... حلق میں خراش.....!“ اور وہ پھر کھانسنے لگا۔

”ڈاکٹر سلمان کو تمہاری ضرورت ہے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی اور فریدی کا چہرہ چمک اٹھا۔

”مگر..... میری طبیعت..... مآم.....!“ فریدی نے بھرائی آواز میں کہا۔

”خیر..... رہنے دو..... کسی اور کو بھیجا جائے گا۔“ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اب

فریدی یک یک آدمی سے کسی تیز رفتار مشین میں تبدیل ہو گیا تھا۔

عجیب لڑکی

کیپٹن حمید نے صبح کا ناشتہ اپنے کمرے ہی میں کیا۔ اسے توقع تھی کہ ڈاکٹر سلمان اسے گھر

کی میز پر طلب کرے گا لیکن اس کا ناشتہ کمرے ہی میں بھجوا دیا گیا تھا۔ پچھلی رات وہ سو فیصدی

ڈاکٹر کی بہن کے خیال میں کھویا رہا تھا۔ ایک بار بھی آئندہ کے پروگرام کے متعلق سوچنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ سب سے زیادہ الجھن اس بات کی تھی کہ آخر لڑکی ہے کس قسم کی۔ واقعی جھکی ہے یا بچیلی شام اسے اُلو بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس نے ایک طویل انگڑائی لی اور پاپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اتنے میں راہداری سے قدموں کی آواز آئی جو بتدریج نزدیک آتی گئی۔ پھر دروازے میں ڈاکٹر سلمان دکھائی دیا جو غالباً کہیں جانے کے لئے تیار تھا۔

”بیٹھے..... بیٹھے۔“ اس نے حمید سے کہا۔ جو کرسی سے اٹھ رہا تھا۔ ”میں آپ کو پھر ایک عجیب خبر سنانے آیا ہوں۔“

”فرمائیے..... کیا بات ہے۔ کیا ان میں سے کوئی چل بسا.....؟“

”نہیں..... وہ سب زندہ ہیں۔“ ڈاکٹر سلمان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”البتہ آپ کا دوست قاسم زخمی ہو گیا ہے۔ آپ نے اس پر لکڑیاں جو برسائی تھیں۔ سر میں زخم آیا ہے۔ گولی کسی کے بھی نہیں لگی..... ویسے اخبارات میں اس کے متعلق کچھ نہیں آیا۔“

”ماقہر نے احتیاطاً نہ آنے دیا ہوگا۔“ حمید نے جواب دیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

”اس کے علاوہ آپ اور کون سی خبر سنانے جا رہے تھے۔“

ڈاکٹر سلمان بیٹھتا ہوا بولا۔ ”ادارہ روابط عامہ یا اس کے لئے کام کرنے والے پتہ نہیں کسی آنکھوں میں کھٹک رہے ہیں۔“

”کیوں..... کیا ہوا؟“

”رات کسی نے تتاریہ کی پیتل والی عمارت میں آگ لگا دی۔“

”تتاریہ..... کیا چیز ہے..... کیا بلدیہ قسم کی کوئی چیز؟“

”آپ تتاریہ کو نہیں جانتے۔“

حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنے سر کو جنبش دی۔

”تتاریہ..... رام گڈھ کی ایک معزز عورت ہے اور ہمارے ادارے کی ایک مددگار بھی۔ رات کسی نے اس کی ایک عمارت میں آگ لگا دی۔ اس کے دو ملازم عمارت میں رہتے تھے۔ وہ سڑک پر بیہوش پائے گئے۔ ان کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ ایک کاسر زخمی تھا اور دوسرے کا ہاتھ۔ جس

کے متعلق خیال ہے کہ پستول کی گولی کا زخم ہے..... وہ دونوں ہوش میں آ گئے ہیں لیکن ہوش کی باتیں نہیں کر رہے ہیں۔ یہ خبر آپ کو اس لئے دے رہا ہوں کہ آپ ادارے کے لئے کیا کر سکیں گے۔ ادارے کی افادیت کا اعتراف آپ کو بھی ہے۔“

”یعنی کوئی ادارے کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”اس کے علاوہ اور کیا سوچا جاسکتا ہے۔ پہلے میری کار جلانی گئی۔ پھر ادارے کی ایک مدد گار کو نقصان پہنچایا گیا۔ دونوں واقعات ایک ہی قسم کے ہیں۔“

”ہاں..... ہیں تو۔“ حمید کچھ سوچنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ”کیا میں پتہ لگاؤں کہ وہ کون ہے۔“

”میں آپ کا مشکور ہوں گا اگر آپ ایسا کر سکیں۔“ ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

”مگر پتہ نہیں..... رام گڈھ کی پولیس میرے متعلق کیا سوچ رہی ہو۔“ حمید نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

”میں نہیں سمجھا۔“

”روحی وغیرہ کے معاملے کی طرف اشارہ۔“

”ارے وہ کچھ نہیں۔“ ڈاکٹر سلمان سر ہلا کر بولا۔ ”اے تو بڑی آسانی سے برابر کیا جاسکتا ہے۔“

”کس طرح؟“

”ارے آپ جیسا فہیم اور زیرک آدمی مجھ سے یہ سوال کر رہا ہے۔“

”ڈاکٹر..... میری ساری صلاحیتیں ختم ہوتی جا رہی ہیں۔“

”خیال ہے آپ کا..... مگر یہ سوچنا چھوڑ دیجئے۔ ورنہ سچ مچ ختم ہو جائیں گی۔“

”خیر.....!“ حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ”میں ہر امکانی کوشش کروں گا ویسے میرا

ارادہ ہے کہ میں ماتھر سے مل ہی لوں۔“

”ماتھر سے ملے گا۔“ ڈاکٹر سلمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

”ہاں..... آں..... جب ان میں سے کوئی مرا نہیں تو میرے لئے بھی کوئی خاص خطرہ نہیں

باقی رہ جاتا۔ میں ماتھر کو خشے میں اتار لوں گا۔ میں اس سے یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ میں نے کسی اور پر

گولیاں چلائی تھیں درمیان میں یہ لوگ آئے چونکہ انہوں نے اسے چھپے ہوئے آدمی کو نہیں دیکھا اس لئے یہی سمجھے کہ میں نے ان پر گولی چلائی تھی۔“

”قطعی..... دیکھئے..... آپ نے خود ہی جواب سوچ لیا۔ آپ تو کہہ رہے تھے کہ میری صلاحیتیں ختم ہوتی جا رہی ہیں۔“

”بعض اوقات میں بالکل خالی الذہن ہو جاتا ہوں۔“ حمید نے کہا۔

”آپ قطعی خالی الذہن نہیں ہوتے۔ خالی الذہن کی ترکیب ہی غلط ہے۔ کبھی کوئی آدمی خالی الذہن نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ سوتے وقت بھی خالی الذہن نہیں ہوتا۔“

حمید نے بات بڑھتے دیکھ کر جلدی سے کہا۔ ”آہم..... دیکھئے آپ مجھے میک اپ کا سامان منگوا دیجئے۔ یہاں میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے ورنہ آپ کو تکلیف نہ دیتا۔“

”میک اپ کا سامان کیا کیجئے گا۔“

”یہ حقیقت ہے ڈاکٹر صاحب کہ میں رام گڈھ کی پولیس کی فٹروں میں نہیں آتا چاہتا حالات کا تقاضہ یہی ہے۔“

”کیسے حالات.....؟“

”میرا نجی معاملہ ہے ورنہ میں حالات پر ضرور روشنی ڈالتا۔“

”کوئی بات نہیں۔“ ڈاکٹر سلمان سر ہلا کر بولا۔

اور حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔ اسکے چہرے پر پھر الجھن کے آثار پائے جانے لگے تھے۔

پھر کچھ دیر بعد اس نے ندامت آمیز لہجے میں کہا۔ ”نہیں ڈاکٹر میں غلطی پر تھا میں آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ آپ کی حیثیت ایک ڈاکٹر کی سی ہے اور آپ کسی مریض کی کمزوریوں کی تشہیر کبھی نہ کریں گے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اب میں اپنے عہدے پر واپس نہیں جانا چاہتا کبھی نہیں۔ مجھے اس کام سے نفرت ہو گئی ہے اور میں سوچتا ہوں کہ اگر دوبارہ مجھے واپس جانا ہی پڑا تو مجھے کو میری ذات سے نقصان پہنچے گا..... فائدہ نہیں۔“

”نہیں آپ اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔“ ڈاکٹر سلمان مسکرایا۔ ”آپ میرے زیر علاج ہیں۔“

میرا خیال ہے کہ کچھ دنوں کے بعد آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔ کسی غیر متوقع ذہنی جھٹکے نے آپ کے نروس سسٹم پر برا اثر ڈالا ہے۔ اور یہ بدلتی ہوئی ذہنیت دراصل اسی جھٹکے کی بازگشت ہے ایک مختصر سا

ذہنی درد..... آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔“

”بہر حال کچھ بھی ہو..... میں واپس نہیں جانا چاہتا۔ ادارہ کے دشمنوں کا قلع قمع کروں گا۔

میں وعدہ کرتا ہوں لیکن آپ میرے لئے میک اپ کا سامان مہیا کریں گے۔“

”مگر کیپشن۔“

”کیپشن نہیں..... صرف حمید..... مجھے اب اس لفظ کیپشن سے بھی نفرت ہو گئی ہے۔ مجھے آج

سے ایک ماہ پہلے کے حمید سے بھی نفرت ہو گئی ہے۔ شاید میں اپنا نام ہی بدل دوں۔“

”اچھا..... اچھا..... میں آپ کے لئے میک اپ کا سامان مہیا کروں گا فی الحال اجازت

دیتے۔ ایک ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں۔“

حمید بھی اٹھ کر اس کے ساتھ دروازے تک آیا۔

اب وہ پھر ڈاکٹر کی بہن ساحرہ کے متعلق سوچنے لگا۔ وہ سچ سچ ساحرہ تھی۔ اس کی آنکھیں کتنی

دلکش تھیں جیسے گہری نیند سے جاگی ہو۔ ان آنکھوں میں کتنا سکون اور کتنی گہرائی تھی۔ ابھی حال ہی

میں وہ ملک کی ایک مشہور فلم اسٹار کے ساتھ بھی رہ چکا تھا لیکن اس کے لئے اس نے اپنی بے چینی

نہیں محسوس کی تھی۔ روحی کے ہر انداز میں بناوٹ ہوتی تھی گو کہ وہ گھریلو زندگی سادگی ہی سے بسر

کرتی تھی لیکن بات بات پر پوز کرنے کی فلمی عادت اس میں بھی پائی جاتی تھی..... اس کے برخلاف

یہ ساحرہ جو مشینوں کی طرح بولتی تھی۔ بولتی ہی چلی جاتی تھی اور پھر جب ایک لحظہ کے لئے رکتی اور

گردن اکڑا کر تھوک نکلتی تو حمید کو نہ جانے کیا محسوس ہوتا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ غالب کی محبوبہ

ہوتی تو وہ اس تھوک نکلنے کے انداز کو کن الفاظ میں نظم کرتے۔ یقیناً اس انداز میں بڑی سیکس اپیل

تھی، جو کم از کم غالب جیسے معاملہ فہم کی نظر سے پوشیدہ نہ رہ سکتی۔ حمید اپنے خشک ہونٹوں پر زبان

پھیر کر پائپ ساگانے لگا۔ شاید ساحرہ کو سچ سچ مردوں کی پرواہ نہیں تھی۔ حمید نے تھوڑی دیر بعد اٹھ

کر لباس تبدیل کیا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا ابھیری میں آیا۔ نوکر سے اسے پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا

کہ ساحرہ اپنا زیادہ تر وقت ابھیری ہی میں گذارتی ہے۔

ساحرہ ابھیری میں ٹہل رہی تھی۔ کچھ اس انداز میں جیسے ابھی تک فیصلہ نہ کر پائی ہو کہ کس

الماری سے کون سی کتاب نکالے۔ حمید کو دیکھتے ہی وہ رک گئی۔

”کیوں.....؟“ اس نے غصیلے انداز میں کہا۔ ”آپ کون ہیں اور یہاں کیوں گھسے چلے آئے۔“

”اوہ..... تو کیا مہمانوں کو الابریری میں نہ آنا چاہئے۔“ حمید نے حیرت ظاہر کی۔

”مہمان..... میں نہیں سمجھی۔ میرا خیال ہے کہ میں پہلے بھی آپ کو کہیں دیکھ چکی ہوں۔“

”جی ہاں..... کل شام آپ نے مجھے دیکھا تھا۔ میں ڈاکٹر سلمان کا مہمان ہوں۔“

”اوہ..... سلمان اور مہمان کے قوافی خوب ہیں۔ کیا آپ شاعر بھی ہیں؟“

”جی ہاں..... میں شاعر بھی ہوں۔“ حمید نے ایک طویل سانس لی۔

”مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔“ ساحرہ نے مغموم لہجے میں کہا۔ انداز بالکل ایسا تھا جیسے اسے

حمید سے کوئی دردناک اطلاع ملی ہو۔

حمید نے اسے گھور کر دیکھا لیکن وہ دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ چپ چاپ ایک کرسی پر

بیٹھ کر صبح کا اخبار دیکھنے لگا۔ لیکن اسے وہ خبر کہیں بھی نہ دکھائی دی جس کے متعلق اسے ڈاکٹر سلمان

سے معلوم ہوا تھا۔ اس کی دانست میں وہ بھی فریدی ہی کا کام ہو سکتا تھا۔ اس نے سوچا شاید وہ اس

تنظیم کو ہراس پھیلا کر متزلزل کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس کی فطرت سے کسی حد تک آگاہ تھا۔ لہذا یہ باور

کر لینے میں اسے کیا تاہل ہو سکتا تھا کہ فریدی صرف ایک ہستی کی تلاش میں ہوگا اور وہ ہستی تنظیم کی

سربراہ ”ملکہ کائنات“ ہی ہو سکتی ہے۔

تاریہ کا تذکرہ ڈاکٹر سلمان کی زبانی سن کر اس کے کان کھڑے ہوئے تھے اور اس نے اس

وقت بھی اس پر اسرار عورت ”ملکہ کائنات“ کے متعلق سوچا تھا۔

”کیا تم یہاں..... صرف اخبار پڑھنے آئے تھے۔“ دفعتاً ساحرہ نے پوچھا۔

اور حمید نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، جو اس انداز سے کمر پر ہاتھ رکھے اور سر آگے کی

طرف نکالے کھڑی تھی جیسے لڑنے کا ارادہ رکھتی ہو۔

”جی ہاں..... میں اخبار دیکھ رہا ہوں۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔

”یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں ہے۔“

”آپ نے کیا پوچھا تھا.....؟“

”میں نے پوچھا تھا..... کیا تم یہاں صرف اخبار پڑھنے آئے تھے؟“

”تم..... نہیں آپ..... میں بے تکلفی نہیں پسند کرتا۔“ دفعتاً حمید کا موڈ بگڑ گیا۔

”اوہ..... آپ..... ایک ہی بات ہے۔“

”نہیں..... ایک ہی بات ہے۔“

”مجھے تکلفات پسند نہیں ہیں۔“ ساحرہ نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

”بس یہی فرق ہے آدمی اور کتے میں..... آدمی تکلفات کا عادی ہوتا ہے۔“ حمید نے کہا۔

ساحرہ اواجوب سی ہو کر بغلیں جھانکنے لگی۔

حمید پھر اخبار پڑھنے میں بظاہر مشغول ہو گیا۔ حالانکہ اس کے ذہن میں صرف ایک ہی سوال تھا اور اخبار کے حروف تک اسے نہیں نظر آرہے تھے۔ یہ کس قسم کی لڑکی ہے؟ یہ کس قسم کی لڑکی ہے؟ اس کا ذہن بار بار دہرا رہا تھا۔

”میرے سوال کا جواب مجھے نہیں ملا۔“ ساحرہ میز پر ہاتھ مار کر بولی۔

”ہاں..... میں اخبار دیکھنے کیلئے یہاں آیا ہوں۔“ حمید ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

”تب آپ اخبار اپنے ساتھ لے جاسکتے ہیں۔ آپ کی موجودگی یہاں ضروری نہیں ہے۔“

”میں یہیں بیٹھ کر پڑھوں گا۔“ حمید نے اپروائی سے کہا۔ ”آپ فکر نہ کیجئے۔ مجھے یہاں کوئی

تکلیف نہیں ہے..... جی ہاں۔“

”آپ عجیب آدمی ہیں..... میں تنہائی چاہتی ہوں۔“

”تو آپ خود چلی جائیے یہاں سے۔“ حمید نے اپروائی سے کہا۔

”آپ کیا بک رہے ہیں۔“ ساحرہ کی آواز میں حیرت اور جھٹلاہٹ دونوں تھیں۔

”بک نہیں رہا..... فرما رہا ہوں..... ایک بار آپ سے کہہ چکا کہ مجھے بے تکلفی پسند

نہیں ہے۔“

”یہ میرا مکان ہے..... آپ جانتے ہیں۔“ ساحرہ جھٹلا گئی۔

”تو میں اسے کہاں اٹھائے جا رہا ہوں۔“

”آپ عجیب آدمی ہیں۔“

”میرا نام ساجد حمید ہے۔“

”ہوگا.....!“ ساحرہ غصیلی آواز میں بولی۔

”ہوگا نہیں بلکہ ہے..... آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا۔“

”آپ جھکی ہیں۔“

”بھکی.....!“ حید نے حیرت سے دوہرایا۔ ”میں جانتا ہوں۔ بھکی کسے کہتے ہیں۔ میرا تخلص بھی شباب ہے۔“

”تو آپ شاعر ہیں۔“ ساحرہ اپنا ہونٹ بھیج کر بولی۔ ”اسی لئے اتنی بکواس کر رہے ہیں۔ کوئی شریف آدمی ہوتا تو اب تک اٹھ کر چلا بھی ہو گیا ہوتا..... جائے یہاں سے۔“

”میں ہرگز نہیں جاؤں گا..... ڈاکٹر سلمان نے مجھ سے یہ نہیں کہا تھا کہ ابیری مہمانوں کے لئے نہیں ہے۔“

”مکان میری نگرانی میں ہے۔ ان معاملات میں بھائی جان دخل نہیں ہو سکتے۔“

”پھر بھی میں نہیں جاؤں گا۔ میں ڈاکٹر سلمان کا مہمان ہوں..... آپ کا نہیں..... میں نہیں جانتا کہ آپ کون ہیں اور اس مکان میں کس کی اجازت سے داخل ہوئی ہیں۔ براہ کرم آپ یہاں سے چلی جائے کیوں خواہ مخواہ مجھے ڈسٹرب کر رہی ہیں۔“

ساحرہ کرسی بھیج کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ حید پھر اخبار دیکھنے لگا اور ساحرہ نے تھوڑی دیر بعد نرم لہجے میں کہا۔ ”ادھر دیکھئے۔“

”کہئے..... کیا بات ہے۔“ حید سر اٹھا کر بولا۔

”میری آنکھیں کیسی لگتی ہیں آپ کو.....؟“

”بالکل وہاں..... میں نے ایک ایک بالشت کی آنکھیں دیکھی ہیں۔ آپ کی آنکھوں میں مجھے کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔“

”اچھا میرے ہونٹ.....!“

”بریکار..... بالکل انگو..... دوسری بار دیکھئے کوجی نہیں چاہتا۔“

”اچھا میرے بال.....؟“

”کوئی خاص بات نہیں ہے ان میں..... معمولی ہیں۔“

ساحرہ تہقہ مار کر ہنسی پھر بولی۔ ”تب آپ شاعر نہیں ہیں۔ آپ جھوٹ بول رہے تھے۔“

”کیوں.....؟“

”نہیں آپ شاعر نہیں ہیں۔ یہاں بھائی جان کے آفس میں ایک شاعر تھا وہ مجھ سے کہتا تھا تمہاری آنکھیں صنوبر کے سائے میں سوئی ہوئی جھیل ہیں..... اور ہونٹ شفق کے تراشے..... بالوں

کو وہ سلونی شام کہا کرتا تھا۔ بھائی جان نے اسے آفس سے نکال دیا۔ وہ لوگ جو مجھ سے ملتے ہیں کچھ دنوں کے بعد ایسی ہی باتیں کرنے لگتے ہیں اور پھر بھائی جان مجھے ان سے نہیں ملنے دیتے۔ اسی لئے میں نہیں چاہتی کہ جہاں میں ہوں وہاں آپ بھی آئیں۔ مگر اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔ آپ کو مجھ میں کوئی خاص بات نہیں نظر آتی۔“

”بالکل نہیں..... اگر ہوتی تو ضرور اطلاع دیتا۔“

”آپ کیا کرتے ہیں؟“

”عموماً اداس رہا کرتا ہوں۔“

”اداس کیوں رہتے ہیں۔“

”کیونکہ والد صاحب مجھے ڈاڑھی نہیں رکھنے دیتے۔“

”کیوں نہیں رکھنے دیتے۔ آپ پر بھائی جان کی سی ڈاڑھی بہت اچھی لگے گی۔“

”ایک بار میں نے رکھ لی تھی۔“ حمید مغموم لہجے میں بولا۔ ”والد صاحب بگڑ گئے۔ کہنے لگے

برابری کرتا ہے میری۔“

”واہ تو آپ ان کی زندگی میں ڈاڑھی رکھ ہی نہ سکیں گے۔“

”جی نہیں۔“

”آپ..... مجھے عجیب آدمی معلوم ہوتے ہیں۔“

”خبردار..... لفظ عجیب سے مجھے چڑھ ہو گئی ہے۔ براہ کرم اب اسے نہ دہرایے گا۔“

”آپ یہاں کب تک رہیں گے؟“

”جب تک میرا دل چاہے گا۔“

”یہ تو بڑا اچھا ہے۔ میں یہاں بالکل تنہا رہتی ہوں۔ دل اکتا جاتا ہے تنہائی سے..... میں

بھائی جان سے کہوں گی کہ آپ نے مجھے بالکل واہیات قرار دے دیا ہے۔ اس لئے آپ یقیناً اچھے

آدمی ہیں۔ وہ کہتے ہیں جو لوگ آنکھوں، ہونٹوں اور گھونگر یا لے بالوں کی باتیں کرتے ہیں اچھے

آدمی نہیں ہوتے۔“

”ان سے اس کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔“

”کیوں.....؟“

”بس یونہی..... میں کہہ رہا ہوں تا۔“ حمید نے آنکھیں نکال کر غصیلے لہجے میں کہا۔
 ”نہیں کروں گی۔“ ساحرہ نے مردہ سی آواز میں کہا۔

نہ جانے کیوں حمید کو اس لڑکی پر رحم آنے لگا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ڈاکٹر سلمان جیسے ماہر نفسیات کے گھر میں ایک ایسا کیس قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔ یہ لڑکی یا تو پکی مکار تھی یا پھر اس کی ذہنی عمر پانچ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اور اگر اس بالغ لڑکی کی ذہنی عمر صرف پانچ سال تھی تو اسے عجوبہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ پھر وہ سوچنے لگا..... ہو سکتا ہے کہ یہ لڑکی بھی کسی ماہر نفسیات کے تجربے ہی کا نتیجہ ہو۔ یعنی اس کی ذہنی عمر پانچ سال سے آگے بڑھنے ہی نہ دی گئی ہو۔“

”آپ کیا سوچنے لگے۔“ اس نے پوچھا۔
 ”کچھ نہیں..... میں یہ سوچ رہا تھا کہ کل آپ نے مجھ سے فلسفیوں کی سی باتیں کی تھیں مگر آج بچوں کی طرح گفتگو کر رہی ہیں۔“

ساحرہ ہنسنے لگی پھر بولی۔ ”ہاں..... میں بھی اکثر یہی سوچتی ہوں۔ پتہ نہیں کیوں۔
 بعض اوقات مجھے ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔ میری اپنی آواز مجھے اجنبی سی معلوم ہوتی ہے اور میں سوچنے لگتی ہوں کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔ ایسے اوقات میں جو کچھ کہتی ہوں وہ خود میری سمجھ میں بھی نہیں آتا۔“

”اوہ..... بڑی حیرت انگیز بات ہے۔ کیا آپ نے ڈاکٹر سے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے؟“
 ”وہ جانتے ہیں..... بلکہ جب وہ مجھ سے کہنے لگتے ہیں کہ تم سو رہی ہو گہری نیند سو رہی ہو۔ تمہاری نیند گہری ہوتی جا رہی ہے۔ اسی وقت میں یہ محسوس کرتی ہوں اور پھر شاید مجھے سچ مچ نیند آ جاتی ہے۔“

حمید اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ ”کیا وہ روزانہ ایسا کہتے ہیں؟“

”نہیں..... کبھی کبھی؟“

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ پھر اس لڑکی کے بارے میں الجھن سی محسوس کرنے لگا تھا۔

”آپ نے کہاں تک تعلیم حاصل کی ہے؟“ اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”کہیں تک بھی نہیں..... نہ میں لکھ سکتی ہوں نہ پڑھ سکتی ہوں۔“

”تب یقیناً..... ڈاکٹر سلمان نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے۔“ حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔
 ”تب پھر آپ ابیری میں کیا کرتی ہیں؟“

”مجھے یہاں بڑا سکون ملتا ہے۔“

دفعۃً ایک نوکر نے ابیری میں آکر ساحرہ سے کہا۔ ”آپ کا بے بی رو رہا ہے۔“
 ”ارے بے بی رو رہا ہے۔“ وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ پھر حمید سے بولی۔ ”میں ابھی آئی۔“
 وہ جا چکی تھی اور حمید اپنی کھوپڑی سہارا رہا تھا۔ یہ اتنی بھولی بھی بنتی ہے، اور بے بی بھی رکھتی ہے، اسے خود پر غصہ آنے لگا۔

مشورے

رانو اور اس کے ساتھی بہت خوش تھے کیونکہ اب ان کے جسموں پر جیتھڑوں کی بجائے عمدہ قسم کے سوٹ نظر آنے لگے تھے اور ان کی جیبیں پانچ پانچ ہزار کے نوٹوں سے کافی وزنی ہو گئی تھیں اور اب وہ اپنے سردار کے ایک اشارے پر دم ہلانے لگتے تھے۔ وہ اب اس گندی سی سرائے میں بھی نہیں تھے کیونکہ فریدی نے ایک گھنی آبادی والی بستی میں عمارت کرائے پر حاصل کر لی تھی۔
 انور اس کا سامان لے کر واپس آ گیا تھا جس میں ایک جرمن ساخت کا ٹرانسمیٹر بھی تھا۔ یہ اس نے کراغال کی خانم سے رابطہ قائم رکھنے کے لئے منگوایا تھا۔

ٹھیک پانچ بجے اس نے اسے مخاطب کیا۔ ”روبی..... روبی..... تم سن رہی ہو؟“
 ”اوہ..... آج.....!“ دوسری طرف سے کپکپاتی ہوئی آواز آئی۔ ”میں کتنی شدت سے انتظار کر رہی تھی ہارڈ اسٹون..... اوور.....!“

”کیسے حالات ہیں؟..... اوور.....!“

”ابھی تک تو ٹھیک ہیں..... اوور.....!“

”ایک بات بتاؤ۔ اس رات میں جس میک اپ میں تھا کیا وہ تمہارے مشیر کے چھوٹے بھائی کے حلقے سے ملتا جلتا تھا..... اوور.....!“

”ہاں..... مجھے بھی حیرت تھی۔ لیکن میں نے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا تھا..... کیوں! تمہیں

کیسے خیال آیا..... اور.....!“

”کچھ نہیں..... یونہی..... وہ کن حالات میں مرا تھا..... اور.....!“

”تمہارے دوست کے ہاتھوں..... اور.....!“

”وہ بھی بتائی تھی اس نے.....؟ اور.....!“

”نہیں..... اس کی عادت تھی کہ جو بات چھپانا چاہتا تھا کسی پر بھی ظاہر نہیں کرتا تھا.....

اور.....!“

”اور کوئی خاص بات..... اور.....!“

”نہیں کوئی نہیں..... مگر تم کب آؤ گے..... اور.....!“

”یہ حالات پر منحصر ہے..... اور.....!“

”میں بہت بے چینی سے تمہاری منتظر ہوں..... اور.....!“

”ایک نہ ایک دن ضرور آؤں گا..... اور.....!“

”میں ہر وقت تمہارے متعلق سوچتی رہتی ہوں۔ تمہیں یہاں بہت تکالیف پہنچی تھیں.....

اور۔“

”میں تکالیف کا عادی ہوں۔ جب تکالیف نہیں ہوتیں تو میں خود کو بیمار محسوس کرنے لگتا

ہوں..... اور۔“

”تم اپنے دوست سے بھی زیادہ عجیب ہو۔ میں نے تمہاری تصویر اس کے البم سے الگ کر لی

ہے..... کہیں کسی کی نظر نہ پڑ جائے۔ اور.....!“

”یہ تم نے بہت اچھا کیا..... اسے جلا دو..... اور.....!“

”ہرگز نہیں..... یہ میرے لئے ناممکن ہے..... اور.....!“

”اچھا رو بی..... مجھے باخبر رکھنا..... اور.....!“

”میں..... تمہیں باخبر رکھوں گی۔ کاش تم سے پھر جلد ہی ملاقات ہو سکے نہ جانے کیوں میں ہر

وقت تمہارے متعلق ہی سوچتی رہتی ہوں..... اور.....!“

”میں آؤں گا..... اور رائنڈ آل.....“ فریدی نے سوچ آف کر دیا۔

انور دوسرے کمرے میں اس کا منتظر تھا۔ شاید اس کے پاس کوئی نئی اطلاع تھی۔

فریدی کو دیکھتے ہی وہ کھڑا ہو گیا۔
 ”بیٹھو..... بیٹھو..... کوئی نئی بات۔“

”جی ہاں.....!“ انور بیٹھتا ہوا بولا۔ ”آج تیریہ کے یہاں ادارہ روابط عامہ کے کارکنوں کی میٹنگ ہے۔“

”کس وقت.....؟“

”نوبے رات کو.....!“

”ٹھیک یہ ایک اچھی اطلاع ہے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”ایک بات..... کیا آپ مجھے اجازت دیں گے؟“ انور کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

”آپ کا یہ طریق کار میری سمجھ میں نہیں آتا۔ میں نے آپ کو کبھی ایسا کرتے نہیں دیکھا۔ آپ کے پاس قانون کی قوت ہے..... پھر آپ..... میرا مطلب ہے..... مجرمانہ انداز کیوں اختیار کئے ہوئے ہیں۔“

فریدی نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر جواب دیا۔ ”ضابطے کی کارروائیاں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔ تیریہ ڈاکٹر سلمان یا سردار شکوہ کے خلاف تم کیا کر سکو گے؟“
 ”تیریہ کے خلاف آپ کے پاس وافر مواد موجود تھا۔“

”ہرگز نہیں۔ وہ ان جعلی نوٹوں کے متعلق لاعلمی ظاہر کر کے صاف الگ ہو جاتی۔ الزام ان ملازموں کے سر جاتا اور ہو سکتا تھا کہ وہ دونوں بھی اس معاملے کو اپنی ذات سے آگے بڑھنے ہی نہ دیتے۔ بُرے آدمیوں میں بھی وفاداری کا جذبہ پایا جاتا ہے۔“

انور خاموش ہو گیا۔ لیکن فریدی کہتا رہا۔ ”یہ طریقہ کار بظاہر قابل اعتراض ضرور ہے لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جو لوگ اس وقت ہماری نظروں میں ہیں، تنظیم کے متعلق زیادہ نہیں جانتے، یہ تنظیم کے لئے مختلف ذرائع سے صرف روپیہ حاصل کرتے ہیں۔ میں اس کانے دار پودے کے کانٹے جھانے نہیں بیٹھوں گا بلکہ اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش میں ہوں۔ شمشاد تنظیم کا سربراہ تھا لیکن اس کی موت سے کیا ہوا۔ میرا خیال ہے کہ اب تنظیم پہلے سے زیادہ طاقتور ہو گئی ہے۔ میں ان لوگوں میں ہر اس پھیلتا دیکھ کر ایک طرح کا سکون محسوس کرتا ہوں۔“
 انور خاموش ہی رہا۔ وہ حیرت سے اس اپنی عزم والے انسان کو دیکھ رہا تھا اور اس کے ذہن

کے کسی تاریک گوشے میں یہ خیال موجود تھا کہ جیت ہر حال میں اسی کی ہوگی۔

فریدی نے پھر کہا۔ ”حمید کے متعلق کیا اطلاع ہے؟“

”وہ بدستور ڈاکٹر سلمان کی کوٹھی میں مقیم ہے۔“

”اور یقیناً کوئی بڑا کام انجام دے گا۔“

”مجھے یقین نہیں ہے۔“ انور بولا۔

”کیوں.....؟“

”ڈاکٹر سلمان کی بہن ساحرہ بڑی حسین ہے اور اب تو مجھے اس میں بھی شبہ ہے کہ وہ کسی کام

کے سلسلے میں وہاں تک پہنچا ہو۔“

”تم حمید کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔ میرے سامنے وہ یقیناً بچوں کی سی باتیں کرتا رہتا ہے

لیکن مجھ سے دور رہ کر اس نے کبھی کوئی غلطی نہیں کی۔“

انور پھر خاموش ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ حمید کے متعلق گفتگو ہی نہیں کرنا چاہتا۔ فریدی

بھی چند لمبے خاموشی سے سگار کے کش لیتا رہا پھر کھڑکی سے باہر دیکھتا ہوا بولا۔ ”آج رات ہمیں

تاریہ کی قیام گاہ میں کچھ کرنا ہے وہاں میں یہ بھی دیکھ سکوں گا کہ ادارہ روابط عامہ کے کارکنوں میں

اور کون کون ہے۔“

”ان چار آدمیوں سے آپ کیا کام لیں گے۔ میرا خیال ہے کہ انہیں آپ الگ ہی کر دیں۔

پولیس نے ان پر نظر رکھنی شروع کر دی ہے۔ ان کے حالات بڑی تیزی سے تبدیل ہونے ہیں اس

لئے پولیس کو تشویش ہونی ہی چاہئے۔“

”پردہ نہ کرو..... میرا مقصد بھی یہی ہے کہ پولیس کو تشویش ہو۔“

انور شائد اب کوئی سوال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور ایک

سگریٹ ساگانے کا ارادہ کر رہی رہا تھا کہ اس کی پارٹنر رشیدہ کمرے میں داخل ہوئی۔ لیکن اس کے

چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

”کیوں..... کیا بات ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”خان بہادر عاصم رام گڈھ پہنچ گیا ہے اور اس نے آپ اور حمید کے خلاف رپورٹ درج

کرائی ہے کہ آپ نے اس کے بے وقوف لڑکے کو پھسلا کر چھ لاکھ روپے خرد برد کرا دیئے۔“

”میں جانتا تھا۔“ فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ ”ایک دن یہ ضرور ہوگا۔ قاسم کا کیا خیال ہے؟“

”وہ کو توالی میں دھاڑ رہا تھا کہ یہ غلط ہے۔ ان دونوں سے کوئی غرض نہیں۔ چیکوں پر دوسرے لوگوں نے دستخط لئے تھے۔ پھر اس نے کسی زمین دوز دنیا کے عجائبات کا تذکرہ شروع کر دیا اور اسی پوائنٹ پر ڈی۔ ایس۔ پی نے اسے خطی تسلیم کر لیا۔“

”ماہر موجود تھا کو توالی میں۔“

”نہیں..... وہ آج کل ایک ماہ کی رخصت پر چلے گئے تھے۔“

”ہوں..... خیر..... اسے بھی دیکھیں گے۔“

”گویا یہ ساری مصیبتیں حمید صاحب ہی کی وجہ سے نازل ہوئی ہیں۔“ رشیدہ نے کہا۔

”نہیں.....!“ فریدی اتنا ہی کہہ کر خاموش ہو گیا۔

رشیدہ انور کی طرف دیکھنے لگی لیکن انور شائد حمید کے متعلق کچھ سوچ ہی نہیں رہا تھا۔ دفعتاً فریدی نے رشیدہ سے کہا۔ ”تم میرے لئے کیا کر سکتی ہو؟“

”جو کچھ آپ فرمائیں۔“

”لیکن وہ آسان کام نہیں ہوگا۔“

”کیا میں نے پہلے بھی آپ کے لئے مشکل ترین کام انجام نہیں دیئے۔“

”ٹھیک ہے..... مگر اس بار ہمارا سابقہ ایک تنظیم سے ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ اس تنظیم کے خلاف آپ کی کچھ نہ کچھ خدمت پہلے بھی کر چکی ہوں۔“

”اس وقت تم نے بیک گراؤنڈ ہی میں رہ کر سب کچھ کیا تھا..... لیکن اب تمہیں اس میں

نمایاں حصہ لینا پڑے گا۔“

”میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے مجھے اس قابل تو سمجھا۔“ رشیدہ مسکرائی اور انور کے ہونٹ

سکڑ گئے۔ اسے رشیدہ کی اس پراخلاق مسکراہٹ سے بڑی نفرت تھی۔

”میں تمہیں کام بتاؤں گا۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ پھر انور کی طرف مڑ کر کہنے لگا۔

”اب یہاں سے میری تفریح شروع ہوگی۔ اس تنظیم کے مقابلے میں ایک دوسری تنظیم کھڑی

کرنے جا رہا ہوں۔“

”شانداز.....!“ رشیدہ دبے ہوئے جوش کے ساتھ بولی۔ ”خدا کی قسم مزہ آ جائے گا۔“

انور خاموش ہی رہا اور رشیدہ کو اس کی خاموشی کھلنے لگی۔

پھر انور نے آہستہ سے کہا۔ ”آپ جانتے ہیں مجھے..... میں آپ کی مخالفت بھی کر سکتا ہوں۔“

”قطعاً..... بالکل۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”اسی لئے میں نے یہ تذکرہ چھیڑا ہے۔“

”میں اسے تضحیٰ اوقات سمجھتا ہوں۔“ انور بولا۔

”اچھا تو پھر میں تمہارے بتائے ہوئے راستے پر چلوں گا۔“ فریدی مسکرایا۔ ”میری رہنمائی

کرو۔“

”دیکھئے میں ابھی تک اس کے متعلق کوئی ڈھنگ کی بات نہیں سوچ سکا۔ لیکن آپ کا یہ طریقہ

کار مجھے عجیب سا لگتا ہے۔“

”عجیب سا نہیں بلکہ بچکانہ کہو۔“ فریدی مسکرایا۔ ”کسی سنجیدہ آدمی سے اس کی توقع نہیں کی

جاسکتی۔“

”آپ غلط سمجھے..... میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ خواہ نواہ ازجی کیوں برباد کی جائے۔“ انور جلدی

سے بولا۔

”تم اپنی ازجی اپنے پاس رکھو۔“ رشیدہ نے اسے لٹکارا۔

”نہیں.....!“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”تم لوگ جھگڑا نہیں شروع کرو گے۔ انور نے یہ نہیں

کہا کہ وہ میری اسکیم میں حصہ نہیں لے گا۔“

”آپ مجھے بتائیے۔“ رشیدہ نے کہا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی نے انور سے کہا۔ ”تم ان پاروں پر نظر رکھو۔“

انور سمجھ گیا کہ وہ فی الحال وہاں اس کی موجودگی ضروری نہیں سمجھتا۔ لہذا وہ اٹھ کر باہر چلا

گیا..... غالباً فریدی نے اسے اسی لئے اٹھا دیا تھا کہ کہیں ان دونوں میں پھر بھڑپیں نہ ہونے

لگیں..... وہ تقریباً پندرہ منٹ تک رشیدہ سے آہستہ آہستہ کچھ کہتا رہا۔

ساحرہ کا بے بی

حمید ساحرہ کے بے بی کے چکر میں پڑ گیا تھا۔ وہ کافی دیر تک لائبریری میں اداس بیٹھا رہا۔ پھر اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ساحرہ آگئی۔ اس نے کہا۔ ”میں نے واپس آنے کا وعدہ کیا تھا اس لئے آگئی۔ مگر اب پھر جارہی ہوں۔ بے بی بہت رو رہا ہے۔“

”آپ کی شادی کب ہوئی تھی؟“

”ہٹے.....!“ ساحرہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔ پھر آہستہ سے بولی۔ ”ابھی کہاں ہوئی ہے میری شادی۔“

”پھر یہ بے بی.....!“

”آپ احمق ہیں۔“ ساحرہ نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا..... اور لائبریری سے چلی گئی۔ حمید نے ایک طویل سانس لی اور برا سامنے بنائے ہوئے لائبریری میں ٹہلنے لگا۔ اس کا منہ بگڑتا ہی جا رہا تھا۔ بالکل اسی انداز میں جیسے کسی نے زیرستی کوئی کڑوی یا کیلی چیز کھلا دی ہو۔ وہ ٹہلتا رہا۔ پھر اکتا کر کتابوں کی الماریوں کا جائزہ لینے لگا۔ دیکھتے دیکھتے یونہی بے خیالی میں ایک کتاب کھینچ لی لیکن اس کا نام پڑھ کر اسے دوبارہ الماری میں رکھنے ہی جا رہا تھا کہ وہ ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اس وقت حمید کچھ ایسے موڈ میں تھا کہ جھک کر اسے فرش سے اٹھاتا بھی گراں گذرا۔ اٹھاتے وقت کتاب کھل گئی..... حمید کی نظر صفحات پر پڑی جن کے حواشی پر جا بجا پنسل کی تحریریں تھیں اور تحریر کے نیچے ساحرہ کے دستخط تھے۔

یہ کتاب دراصل فلسفے کی تاریخ تھی اور حمید نے بڑی حیرت سے یہ بات نوٹ کی کہ ساحرہ نے بعض فلسفیانہ مسائل پر بڑی شاندار پیمائیاں لکھی تھیں۔ حمید صفحات التناہا۔ آخری صفحے پر پنسل سے اسی طرز تحریر میں ’ہمبگ‘ لکھا ہوا نظر آیا۔

یہاں بھی ساحرہ نے اپنے دستخط کئے تھے۔ حمید نے کتاب بند کر کے الماری میں رکھ دی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر اس لڑکی کو کیا سمجھے۔ اگر وہ سارے ریمارک اسی کے لکھے ہوئے تھے تو وہ یقیناً غیر معمولی طور پر تعلیم یافتہ تھی۔ اگر تعلیم یافتہ ہے تو پھر خود کو جاہل ظاہر کرنے میں کیا مصلحت

ہو سکتی ہے۔ حمید اسی گتھی میں الجھا ہوا لائبریری سے نکل آیا۔ پھر وہ اپنے کمرے کی طرف جا ہی رہا تھا کہ راہداری میں ساحرہ مل گئی۔ جو اپنے بے بی کو کپڑوں میں لپیٹے بازوؤں میں جھلاتی پھر رہی تھی۔

”ہوں..... ہوں..... ہوں..... لال..... لال..... لا..... چپ ہو جاؤ۔“

مگر بے بی کی چیخیں سن کر ایک بار پھر حمید کھوپڑی سے باہر ہو گیا۔ کیونکہ وہ چیخیں؟ دفعتاً ساحرہ نے کپڑا ہٹاتے ہوئے کہا۔ ”دیکھئے..... میرا بے بی کتنا پیارا ہے۔“

اسپینیل کتے کا ایک ننھا سا پالا اس کی گود میں ”ٹیاؤں ٹیاؤں“ کر رہا تھا۔

”میں بے بی کے فادر سے ملنا چاہتا ہوں۔“ حمید نے اپنے نتھنے پھلا کر کہا۔

”فادر کیا؟ میں نہیں سمجھی..... ہوں..... ہوں..... لال..... لال..... لا۔“

”آخر آپ مجھے الو کیوں سمجھتی ہیں۔“ حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ اسے سچ مچ غصہ آ گیا

تھا۔ پھر وہ وہاں رکے بغیر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس نامعقول لڑکی سے کیسا

برتاؤ کرے، جو اسے اس بُری طرح بے وقوف بنا رہی تھی..... اسے یعنی..... کیپٹن حمید کو؟ اس کے

لئے کم از کم ڈوب مرنے کا مقام تھا کہ کوئی لڑکی اسے الو بنائے۔ دو ہی تین منٹ بعد ساحرہ بھی وہاں

موجود تھی لیکن اب کتے کا پالا اس کی گود میں نہیں تھا۔ وہ خاموش کھڑی رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے

گفتگو کا آغاز کرنے کے لئے اسے مناسب الفاظ نہ مل رہے ہوں۔

”وہ..... دیکھئے آپ نہ جانے کیوں خفا ہو گئے۔“ ساحرہ رک رک کر بولی۔

”آپ اتنے اچھے آدمی ہیں..... اگر آپ بھی خفا ہو جائیں گے۔“

”خدا کے لئے جاؤ..... میرا پیچھا چھوڑو۔“ حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔

”آخر کیوں.....؟“

”کچھ نہیں..... میں بے وقوف بننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

”میں نے کیا بیوقوف بنایا ہے؟“

حمید چند لمبے خاموشی سے اسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ”تمہیں لکھنا پڑھنا نہیں آتا؟“

”بالکل نہیں آتا..... آپ بھائی جان سے پوچھ لیجئے۔“

”کیا یہاں ساحرہ کسی اور کا بھی نام ہے؟“

”نہیں..... واہ ایک گھر میں ایک ہی نام کے دو آدمی کیسے ہو سکتے ہیں۔“

”پھر اس بریری کی بعض کتابوں پر پمبل سے نوٹ کس نے لکھے ہیں؟“

”میں نہیں جانتی۔“ لڑکی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”آپ کتابوں کے متعلق صرف بھائی جان

سے گفتگو کر لیا کیجئے۔ میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔“

”ڈیکارٹس کی فلاسفی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟“

”ڈیکارٹس..... کی فلاسفی..... میں نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“

”تمہیں فلسفے سے دلچسپی نہیں ہے؟“

”فلسفہ..... یہ سب کیا ہے۔ میں ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔“

”بے بی والا مسخرہ پن آپ کو مجھ سے نہیں کرنا چاہئے تھا۔“

”میرے خدا..... مجھے کیا کرنا چاہئے تھا..... آپکی تو کوئی بات ہی میری سمجھ میں نہیں آتی۔“

”بس اب جائیے۔“ حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔

”دیکھیے..... آپ بہت اچھے ہیں لیکن اس وقت آپ کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔“

”میں بالکل ٹھیک ہوں..... شکریہ اور آپ جاسکتی ہیں۔“

”میں اس وقت تک نہیں جاؤں گی..... جب تک آپ کی فحش دور نہ ہو جائے۔“

”دور ہو گئی بھائی۔“ حمید اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔

”کیا میں آپ کو کھل رہی ہوں۔“ ساحرہ نے سوال کیا۔

”بالکل نہیں..... بس تم فی الحال چلی ہی جاؤ۔“

ساحرہ اسے گھور گھور کر بسورتی رہی پھر یک ایک اس طرح زار و قطار رونا شروع کر دیا کہ حمید

کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

”ارے..... یہ کیا کر رہی ہیں.....؟“ حمید ہکلا یا۔

”اب آپ کو دکھائی بھی نہیں دیتا..... ارے میں رو رہی ہوں۔“

”جی ہاں..... جی ہاں.....“ حمید کی بوکھلاہٹ بدستور قائم رہی۔

”کیا میں جھوٹ بول رہی تھی۔“ اب ساحرہ کی ہچکیاں لگ گئی تھیں۔

”نہیں..... بالکل نہیں۔“ حمید نے پھر ہکلانا شروع کر دیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ

اس لڑکی کو کس طرح چپ کرائے۔ کیونکہ اس کی گریہ زاری اب آہستہ آہستہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

”اچھا..... اچھا..... اب چپ بھی رہو۔“

”میں روتے روتے مری جاؤں گی۔ آپ نے یہ کیسے سوچا کہ میں آپ کو بے وقوف بنا رہی

ہوں۔ بے وقوف پیدا ہوتے ہیں..... بنائے نہیں جاتے۔“

حمید ایک بار پھر سناٹے میں آ گیا۔ یہ جملہ تو کسی بہت بڑے آدمی کا قول معلوم ہوتا ہے کہ

بے وقوف پیدا ہوتے ہیں بنائے نہیں جاتے۔ وہ چکرا کر رہ گیا تھا۔ ایک طرف یہ لڑکی خود کو جاہل

تسلیم کرالینے پر مصر ہے اور دوسری طرف ایسے شاندار جملے بھی اس کی زبان سے ادا ہوتے ہیں۔

”اچھا..... میں مان گیا آپ کی بات۔“ حمید نے زنج ہو کر کہا۔

”اب تو آپ اس قسم کی گفتگو نہیں کریں گے۔“

”نہیں..... نہیں..... قطعی نہیں۔“

لڑکی خاموش ہو گئی۔ روتے روتے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ اس نے دوپٹے کے

آنچل سے آنسو خشک کئے اور اس طرح خاموش بیٹھی رہی جیسے گریہ و زاری کی دوسری قسط شروع

کرنے کے لئے کسی دوسرے جملے کی منتظر ہو۔ لیکن اب حمید نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بند کر لئے تھے۔

”اب بھی آپ کے دل میں وہی ہے۔“ ساحرہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”نہیں ہے..... قطعی نہیں ہے۔“ حمید جلدی سے بولا۔

”نہیں آپ کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔“

”میں اپنے چہرے کے چیتھڑے اڑا دوں گا۔“ حمید پھر جھٹکا گیا۔

”دیکھا..... دیکھا میں نہ کہتی تھی۔ ارے میری قسمت ہی ایسی ہے۔“ ساحرہ پھر باقاعدہ طور

پر اشارت لے کر رونے لگی۔

”حمید بوکھلا کر جانے کے لئے اٹھا اور وہ تڑپ کر بولی۔

”جاؤ تو..... خدا کرے میں یہیں مری جاؤں..... اچھا جاؤ..... میں دیوار سے اپنا سر ٹکرا دوں

گی۔“

حمید فرش پر دوڑا نو بیٹھ کر اپنا سر پیٹنے لگا۔

ٹھیک اسی وقت ڈاکٹر سلمان کمرے میں داخل ہوا اور حیرت سے آنکھیں پھاڑے دروازے

ہی پر ٹھنک گیا۔ حمید نے سوچا یہ تو بہت بُرا ہوا۔ ڈاکٹر کیا سمجھے گا۔ بہر حال اس کے ہاتھ اور تیزی سے چلنے لگے۔

”یہ کیا ہو رہا ہے۔“ دفعتاً ڈاکٹر سلمان کی گرد آواز کمرے میں گونجی۔

ساحرہ جو پہلے ہی سہم کر خاموش ہو گئی تھی یک بیک اچھلی اور دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ حمید بھی اپنے ہاتھ روک کر پاگلوں کے سے انداز میں ڈاکٹر سلمان کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

”یہ سب کیا ہے؟“ ڈاکٹر سلمان نے دو تین قدم آگے بڑھ کر کہا۔

”ییل..... لڑکی..... مجھے پاگل بنادے گی۔ خدا کیلئے مجھے کوئی دوسری جگہ بتائیے ڈاکٹر۔“

”کیا بات ہوئی تھی۔“

”ایک دو نہیں ہزاروں باتیں ہو گئیں جناب..... خدا کے لئے۔“

”کپٹین حمید..... آپ ہوش میں بھی ہیں یا نہیں۔“ ڈاکٹر سلمان نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

حمید نے سوچا کہ اب فوراً ہی پینتھرہ بدلنا چاہئے ورنہ حجامت ہو جائے گی۔

اس نے آہستہ سے کہا۔ ”ڈاکٹر..... یہ لڑکی صحیح الدماغ بھی ہے یا نہیں؟“

”آپ بات بھی بتائیں گے یا یونہی بے سروپا ہوتی رہے گی؟“

”بات..... پہلے انہوں نے مجھے اپنا بے بی دکھایا۔ لیکن وہ اتنا منہ کھ بھی نہیں ثابت ہوا جتنا

کہ اسپینیل پلے کو ہونا چاہئے۔ پھر جناب..... انہوں نے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ غیر تعلیم یافتہ ہیں۔“

”ہاں..... یہ درست ہے کہ وہ لکھنا پڑھنا بالکل نہیں جانتی۔“ ڈاکٹر سلمان بولا۔ ”لیکن آخر یہ

کیا ہو رہا تھا۔“

”میں سر پیٹ رہا تھا..... اور وہ رور رہی تھی۔“ حمید بولا۔ ”کیا اب یہ بھی بتانا پڑے گا کہ میں

سر کیوں پیٹ رہا تھا؟“

ڈاکٹر سلمان بدستور اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھتا رہا۔

”جب انہوں نے بہت عاجز کر دیا تو میں نے سر پیٹنا شروع کر دیا..... مجھے یقین ہے کہ

دوسری ملاقات پر میں بالکل پاگل ہو جاؤں گا۔“

”دیکھئے جناب.....“ ڈاکٹر سلمان نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”آپ اپنے کام سے کام رکھیں

گے۔ اگر آپ کو یہ نامنظور ہو تو مجھے آگاہ کر دیجئے۔“

”بہت بہتر..... میں اپنے کام سے کام رکھوں گا۔“

”میک اپ کا سامان آگیا ہے لیکن آپ کے لئے ایک بُری خبر بھی لایا ہوں۔ وہ آپ کا دوست ہے نا جوزجی کے ساتھ مقیم ہے۔ آج اس کے باپ نے کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کے خلاف رپورٹ درج کرائی ہے کہ ان دونوں نے اسکے لڑکے کو پھسلا کر چھ لاکھ روپے ایٹھ لئے۔“

”میرے خدا.....!“ حمید آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

تیسرا شعلہ

مادام تناریہ ایک بلند قامت اور وجیہہ عورت تھی۔ عمر چالیس سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ جسم کی ساخت بھی ایسی ہی تھی کہ اگر قاسم دیکھ پاتا تو اسے نوشابہ بھی یاد نہ رہ جاتی۔ وہ ایک شاندار عمارت میں رہتی تھی اور رام گڈھ میں اس کی دوسری بھی کئی عمارتیں بھاری کرایوں پر اٹھی ہوئی تھیں۔ ملک کے مختلف صنعتی اداروں میں اس کا وافر سرمایہ بھی لگا ہوا تھا۔ بہر حال وہ رام گڈھ کی متول ہستیوں میں شمار کی جاتی تھی۔

اور اب فریدی نے اس کی ایک ڈھکی چھپی حیثیت سے بھی پردہ اٹھا دیا تھا۔ لیکن اس کا علم اس سمیت صرف چھ ہستیوں کو تھا اور رشیدہ اور اس کے چاروں نئے ساتھی جانتے تھے کہ تناریہ کے ہاتھ جعلی نوٹوں کے برنس میں بھی ملوث ہیں لیکن ان چاروں کو ان باتوں کا علم نہیں تھا، جو انور اور رشیدہ کو فریدی سے معلوم ہوئی تھیں۔

تناریہ اس کے علاوہ بھی کئی طرح کے جرائم کر گزرتی تھی اور اس کا علم اس کے طبقے کے لوگوں کو نہیں ہونے پاتا تھا۔

آج اس کے یہاں ادارہ روابط عامہ کے کارکنوں کی میٹنگ تھی۔ میٹنگ نو بجے شروع ہونے

والی تھی۔ اب آٹھ بج رہے تھے۔ تاریہ رات کے کھانے سے فارغ ہو کر اسٹڈی میں آ بیٹھی اور یہیں کافی پی رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔

”ہیلو.....!“ اس نے ریسپورڈ اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

”یا.....ہیلو.....“ تاریہ۔ ”دوسری طرف سے بھی کسی عورت ہی کی آواز آئی۔

”کون ہے؟“

”تھریسیا بیل آف بوہیمیا۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

”میں نہیں جانتی کون ہو۔“

”اسی طرح چند سال پہلے تمہیں بھی کوئی نہیں جانتا تھا کہ تم کون ہو۔“

”کیا بکو اس ہے۔“ تاریہ جھاگئی۔

”بدتمیز عورت..... میں تیری بنیاں چبا جاؤں گی۔ اپنی اصلیت کو نہ بھول۔ میں جانتی ہوں

تیری حقیقت.....“

”او..... سو رکی بچی تو ہے کون؟“

”سو تو تیرا باپ تھا..... جس نے تیری ماں سے شادی نہیں کی تھی۔“ دوسری طرف سے آواز

آئی۔

”شٹ اپ.....!“

”شٹ اپ کی بچی..... اب بھی وقت ہے..... فیصلہ کر لے۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

”تو بکو اس بند کرے گی یا نہیں؟“ تاریہ دہاڑی۔

”نہیں..... میرا مطالبہ سات الگ ہے اور تو اب تک تقریباً تیس کروڑ کے جعلی نوٹ ملک میں

پھیلا چکی ہے، میرے پاس ایسے نوٹ ہیں جو تجھے دن کو تارے دکھا دیں گے۔“

”خاموش رہو گندی بی۔“ تاریہ غرائی۔ ”تو میرا کچھ نہیں کر سکتی۔“

لین پھر وہ فوراً ہی سنبھل کر بولی۔ ”تو نہ جانے کہاں کی بکواس لے بیٹھی ہے، کیسے جعلی

نوٹ..... لینا خواب دیکھ رہی تھی۔“

”خواتین میں آنکھیں کھلنے پر تجھے اپنے خواب بہت یاد آئیں گے تاریہ۔“ دوسری طرف

سے آواز آئی۔

”یقیناً تو نشے میں ہے۔“ یک بیک تار یہ ہنس پڑی اور اس کے قہقہے سے کمرے کی دیواریں جھنجھنا اٹھی تھیں۔

”میں کہتی ہوں اگر تو نے تین دن کے اندر اندر سات لاکھ کی اصلی کرنسی بہم نہ پہنچائی تو تیرے انجام پر شاید رام گڈھ کی پہاڑیاں بھی چینیں اور کرائیں۔ میرے ایک آدمی نے تیرے دو لفظوں کو بے بس کر کے تیری عمارت میں آگ لگادی تھی۔ کیا تجھے یاد نہیں۔“

”اوہ..... تو تم وہ لوگ ہو۔“

”ہاں..... میں تھریسا بمبل بی آف بوہیمیا۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”میں صرف تین دن کی مہلت دیتی ہوں سات لاکھ کے لئے۔ اس کے بعد میری کمپنی تم میں دلچسپی لینا چھوڑ دے گی..... کیا سمجھی.....“

”تھریسا شاید تو نہیں جانتی کہ تو کس سے گفتگو کر رہی ہے۔ رام گڈھ کی ایک معزز ترین عورت۔“

”یعنی پولیس تیرے خلاف کوئی کارروائی نہ کرے گی؟“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”پولیس میرا کھلونا ہے عورت۔“ تار یہ نے فخریہ انداز میں کہا۔ ”وہ میرے خلاف ایک قدم بھی نہ اٹھا سکے گی۔“

”تب پھر تم سے بزور قوت سات لاکھ روپے وصول کئے جائیں گے۔ تم آج ہی سے تیار رہنا۔“

”میں ہر وقت ہر معاملے کے لئے تیار رہتی ہوں۔“ تار یہ نے کہا۔

”اچھی بات ہے۔“ دوسری طرف سے کہا گیا اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ریسپور کو کریڈل میں ڈالنے وقت تار یہ کی پیشانی پر سلوٹیں بڑ گئیں۔

وہ کسی گہری سوچ میں تھی۔ ساڑھے آٹھ بجے سے ممبروں کی آمد شروع ہو گئی۔ تار یہ سمیت یہ دس تھے۔ گیارہواں ایک اجنبی تھا جو پہلی بار ڈاکٹر سلمان کے ساتھ آیا تھا۔ اس کی شکل کسی حد تک ڈاکٹر سلمان سے ملتی جلتی تھی۔ ڈاڑھی تو ہو بہو اسی کی تھی۔ یہ حمید کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔ خود ڈاکٹر سلمان نے اس کے میک اپ کی بے تحاشہ تعریف کی تھی اور یہاں اسے اپنے خالہ زاد بھائی کی حیثیت سے متعارف کرایا تھا۔

میننگ کی کارروائی شروع ہوئی اور حمید شدت سے بوریت محسوس کرنے لگا کیونکہ یہ سو فیصدی کسی ادارہ کے کارکنان کی میننگ تھی اور ابھی تک کسی کی بھی زبان سے ایسی کوئی بات نہیں نکلی تھی جو

حمید کے نکتہ نظر سے قابل گرفت ہوتی۔ ادارہ کے مالیاتی بحران پر بحثیں ہوتی رہیں۔ پھر تقسیم کاری باری آئی۔ اس کے بعد آمدنی کے مزید ذرائع پیدا کرنے کے امکانات پر غور کیا جانے لگا..... اور وہ مسئلہ آخر میں چھڑا جس سے حمید کو دلچسپی ہو سکتی تھی۔ یہ مسئلہ تھا ڈاکٹر سلمان کی کار اور تئاریہ کی بلڈنگ کی آتش زدگی کا۔“

”میرے خیال سے یہ کوئی دیوانہ یا فائر عقل آدمی ہے جو اس قسم کی حرکتیں کر رہا ہے۔“ ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

”پہلے میں بھی یہی سوچتی تھی۔“ تئاریہ بولی۔ ”مگر اب خیال بدل دینا پڑا ہے۔ کوئی عورت ہے تھریسا بمبل بی آف بی۔ اسے ادارہ کی مالیات کی ساتویں ذریعے پر اعتراض ہے۔ اس کے آدمی یہ حرکتیں کر رہے ہیں۔“

”آپ نشے میں تو نہیں ہیں مادام تئاریہ۔“ ڈاکٹر سلمان نے کہا۔ ”کیا رام گڈھ میں کسی ایسی عورت کا وجود بھی ہو سکتا ہے۔“

”ابھی ایک گھنٹہ قبل اس نے مجھ سے ٹیلی فون پر گفتگو کر کے سات لاکھ کا مطالبہ کیا تھا۔“

”اوہ.....!“ ڈاکٹر سلمان کے ہونٹ ایک چھوٹا سا دائرہ بنا کر رہ گئے۔

پھر کمرے کی فضا پر سکوت طاری ہو گیا..... اور ٹھیک اسی وقت دروازہ کھلا اور ایک ہاتھ دکھائی دیا جس میں ریوالور تھا۔ وہ سب چونک کر کھڑے ہو گئے۔

”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“ دروازے سے آواز آئی اور ساتھ ہی بولنے والا بھی ان کے سامنے آ گیا۔ اس کے جسم پر سیاہ سوٹ تھا اور چہرے پر سیاہ نقاب۔

”آپ حضرات کو اس میٹنگ پر مبارک باد دیتا ہوں۔“ اس نے کہا۔

”تم کون ہو؟“ کسی نے پوچھا۔

”یہ سوال بڑا احمقانہ ہے۔ اگر یہی بتانا ہوتا تو چہرے پر نقاب کیوں ہوتی۔ کیا آپ لوگ کامن سنس استعمال نہیں کر سکتے۔“

وہ سب ہاتھ اٹھائے کھڑے رہے لیکن حمید کے پیر کانپ رہے تھے۔ اس نے بولنے کی آواز میں فریدی کے انداز گفتگو کی جھلکیاں پائی تھیں۔ وہ بھی چپ چاپ ہاتھ اٹھائے کھڑا رہا۔

”تم کیا جانتے ہو۔“ ڈاکٹر سلمان نے نرم لہجے میں پوچھا۔

”سات لاکھ..... میں مادام تھریسیا کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔“

”یہ مادام تھریسیا کیا بلا ہے؟“ ڈاکٹر سلمان نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر پوچھا۔

”مادام تھریسیا سے بھی افضل ترین خاتون۔ وہ جس سے یورپ کے بڑے بڑے آدمی کانپتے

ہیں مادام تھریسیا جو کہتی ہیں کر گذرتی ہیں۔ اگر تین دن کے اندر اندر سات لاکھ فراہم نہ کئے گئے تو

مادام تھریسیا کے حکم کے مطابق تھریسیا کی ناک کاٹ دی جائے گی۔“

”کیا بک رہے ہو.....؟“ ڈاکٹر سلمان گرجا۔

”ہاں ڈاکٹر..... میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ تم بہت رحم دل ہو۔ تمہیں ناک کاٹنے کی دھمکی

نے یقیناً گہرا صدمہ پہنچایا ہوگا۔ مگر ہم کیا کریں..... ہمارا اصول یہی ہے۔“

”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہاں سے بچ کر چلے جاؤ گے؟“ تھریسیا غرائی۔

”یقیناً..... ورنہ آتا ہی کیوں۔“ نقاب پوش نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا۔

دفعۃً عقب سے کسی نے اس پر حملہ کیا۔ لیکن وہ اس کی پشت سے شانے پر ہوتا ہوا اچھل کر

ان لوگوں کے درمیان آگرا۔ اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور نقاب پوش نے مسکرا کر کہا۔ ”جلد

بازی بڑی چیز ہے۔“

پھر تو ایسا معلوم ہونے لگا جیسے درو دیوار سے آدمی نکلنے لگے ہوں۔ نقاب پوش نے پھلانگ

لگائی اور کھڑکی سے گذرتا ہوا راہداری میں پہنچ گیا۔

”نکل کر جانے نہ پائے۔“ ڈاکٹر سلمان نے چیخ کر کہا۔

”گھبراؤ نہیں ڈاکٹر..... اب اس عمارت سے ایک پرندہ بھی باہر نہیں جاسکتا۔“

یہ تھریسیا کی آواز تھی۔

حمید بوکھلا گیا۔ اسے یقین تھا کہ وہ فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اب وہاں تقریباً

چالیس آدمی نظر آرہے تھے اور فریدی تنہا تھا۔ تھریسیا نے کسی اطمینان پر ہی کہا ہوگا کہ وہ باہر نہیں نکل

سکتا۔ اس افراتفری میں حمید ڈاکٹر سلمان وغیرہ سے الگ ہو گیا تھا اور عمارت کے ایک ایک گوشے

میں فریدی کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

دفعۃً عمارت کے کسی گوشے سے بیک وقت کئی فائر ہوئے اور حمید بے تحاشہ اس طرف دوڑا۔

ایک کھڑکی پر پے در پے فائر ہو رہے تھے اور گاہ بگاہ کھڑکی سے بھی فائر ہو جاتے۔ حمید کو شش کرنے لگا کہ کسی طرح اس کمرے میں پہنچ جائے جس کی کھڑکی سے فائر ہو رہے تھے لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی۔ اس وقت سراسیمگی کے عالم میں یہ چیز بھی اس کے ذہن سے نکل گئی تھی کہ وہ یہاں کس حیثیت سے آیا تھا اور ایسے حالات میں اس کا کیا رویہ ہونا چاہئے۔ وہ تو فریدی کو خطرے میں دیکھ کر سراسیمگی کی آخری سرحدیں چھونے لگا تھا۔

اچانک کھڑکی سے فائر ہونے بند ہو گئے اور پھر اسی راہداری سے ایک فائر ہوا۔ دوسرے فائر کرنے والوں میں سے کسی کی چیخ فضا میں لہرائی اور بھاگنے والا صاف نکلا چلا گیا۔ حمید دیوار سے لگا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

پوری عمارت کچھ نیم تاریک سی تھی۔ اس لئے حمید کو توقع تھی کہ فریدی باہر نکل جانے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن تھوڑی ہی دیر میں تاریکی کا سہارا بھی اجالے کے سیلاب میں ڈوب گیا۔ دفعتاً پوری عمارت روشن ہو گئی تھی۔ جا بجا دو دھیا روشنی کے ٹوب نظر آنے لگے تھے۔

پھر کسی گوشے سے فائر وں کی آوازیں آئیں..... اچانک کسی نے حمید کا شانہ پکڑ لیا۔ حمید چونک کر مڑا..... سامنے تیریہ کھڑی تھی۔

”آپ کہاں بھاگتے پھر رہے ہیں مسٹر سہیل۔“ اس نے کہا۔ حمید کا تعارف اسی نام سے کر لیا گیا تھا۔

”میں مسلمان بھائی کو ڈھونڈ رہا تھا۔“ حمید نے جواب دیا۔

”نہیں..... وہ جہاں بھی ہوں گے محفوظ ہی ہوں گے۔ لیکن آپ کی زندگی ضرور خطرے میں پڑ جائے گی۔ کیونکہ آپ اس عمارت سے واقف نہیں..... ہو سکتا ہے میرے ہی آدمیوں سے آپ کو نقصان پہنچ جائے۔“

”میں مسلمان بھائی کے لئے پریشان ہوں۔“

”کیا آپ ڈاکٹر مسلمان سے واقف نہیں ہیں؟“

”وہ میرے کزن ہیں..... مادام.....! حمید نے کہا۔

”اس کے باوجود بھی آپ ڈاکٹر مسلمان کو نہیں جانتے۔ آپ اس وقت ڈاکٹر مسلمان کو یاد بھی

نہ ہوں گے۔ اس وقت تک ڈاکٹر اپنے وجود کو بھی بھولا رہے گا جب تک کہ اس نقاب پوش کی لاش

اسے نہیں نظر آجائے گی۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ ایک بار اس نے یہ بھی سوچا کہ کیوں نہ اس عورت ہی کا گلا گھونٹ دے۔ ایک تو کم ہو لیکن اسے اس کا موقع ہی نہ مل سکا۔ کیونکہ تناریہ کے آدمی چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔
 ”آپ کی عمر کیا ہوگی مسٹر سہیل۔“ تناریہ نے پوچھا اور حمید کو فارو کی گونج میں اس کا یہ سوال بڑا عجیب معلوم ہوا۔

”مجھے اپنی صحیح عمر کا علم نہیں ہے۔“ حمید نے جواب دیا۔

”آپ بھی تمہیں سے زیادہ کے نہیں معلوم ہوتے۔“ اس نے حمید کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔
 ”خدا جانے۔“ حمید کا ذہن فریدی میں الجھا ہوا تھا۔

”اوہ..... تم اتنا بڑھتے کیوں ہو؟“ تناریہ نے اسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ ”ادھر اندھیرا ہے۔“
 حمید کی کھوپڑی نے ایک ہی سیکنڈ میں ساڑھے سات سو چکر پورے کر لئے۔ فائر برابر ہو رہے تھے۔ مگر یہ عورت..... سردی کے باوجود حمید کا جسم پسینے سے چیچپانے لگا۔

”سلمان بھائی۔“ حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں اس سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بڑبڑایا اور ایک طرف دوڑنے لگا۔

پھر اسے یک بیک ایسا محسوس ہوا جیسے پوری عمارت میں سناٹا چھا گیا ہو اس کے کانوں میں صرف اپنے دوڑتے ہوئے قدموں کی چاپ گونج رہی تھی۔

جلد ہی اسے اس سناٹے کی وجہ معلوم ہو گئی۔ نقاب پوش نے ایک جگہ پھر ان لوگوں کو پستول کی نال پر لے لیا تھا۔ سات آدمی اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑے تھے اور نقاب پوش کی پشت پر ایک کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ انہیں ڈانچ دے کر اس کھڑکی سے نکل جائے گا۔

اس نے ایک ہاتھ کھڑکی میں ڈالا ہی تھا کہ اوپر سے آگ کی ایک باریک سی دھار اس پر آگری۔ ہاتھ اٹھائے ہوئے آدمیوں نے خوشی کا نعرہ لگایا۔ اور اسی آواز میں حمید کی دُخراش چیخ بھی شامل تھی۔ نقاب پوش کے سر سے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا لباس جل کر خاک ہو گیا اور اب وہاں سیاہ رنگ کا ایک مجسمہ کھڑا تھا۔

حمید صرف دیکھ سکتا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا نچلا دھڑ بالکل بیکار ہو گیا ہو اور اب وہ کبھی وہاں سے ہل بھی نہ سکے گا اور سر ہوا میں تیرتا محسوس ہو رہا تھا۔

دفعتا اس سیاہ مجسمے کا داہنا ہاتھ اٹھا جس میں اب بھی ریوالمور موجود تھا۔ پھر اس کھڑکی کی طرف ایک فائر ہوا جس سے آگ کی دھار آئی تھی۔ ایک چیخ فضا میں لہرائی اور ایک آدمی کھڑکی سے نیچے گر کر تر پنے لگا۔

”ہاہا.....!“ سیاہ مجسمے سے آواز آئی۔ ”مادام تھریسیا بمبل بی..... زندہ باد۔“
 ”ڈرو..... دوستو..... تھریسیا سے ڈرو..... وہ بڑی خطرناک ہے۔ اس نے تمہارا یہ حربہ بیکار کر دیا۔ جس پر تمہیں بڑا تازہ تھا۔“

پھر اس سیاہ اور برہنہ مجسمے نے قبضہ لگاتے ہوئے کھڑکی سے باہر چھلانگ لگادی۔ یہاں کسی میں اتنی سکت بھی نہیں معلوم ہوئی تھی کہ وہ اپنے ہونٹوں ہی کو جنبش دے سکتا۔
 حمید پسینے میں نہایا ہوا کھڑا تھا۔ وہ تقریباً پانچ منٹ تک اسی طرح گم سم کھڑے رہے پھر حمید نے تئاریہ کو بھرائی ہوئی آواز میں کہتے سنا۔ ”یقین نہیں آتا۔“
 پھر وہ ہذیبانی انداز میں چیخنے لگی۔ ”نہیں..... وہ آدمی نہیں بھوت تھا۔ تھریسیا بمبل بی کوئی بُری روح تھی..... بمبل بی..... بمبل بی..... وہ کوئی بُری روح تھی۔“

حمید نے ڈاکٹر سلمان کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر اداسی تھی اور وہ بار بار اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

”تمہارا کیا خیال ہے ڈاکٹر۔“ تئاریہ نے سلمان کو مخاطب کیا۔ لیکن وہ کچھ نہیں بولا۔
 ”شائیں..... کھٹاک۔“ ایک خنجر کھڑکی سے گذرتا ہوا سامنے والے دروازے میں دھنستا چلا گیا۔ ایک منٹ تک وہ لوگ بے حس و حرکت کھڑے رہے کسی میں بھی اتنی ہمت نہیں تھی کہ آگے بڑھ کر اس خنجر کو دروازے سے نکالتا۔

پھر اس بار حمید ہی نے پہل کی۔ آگے بڑھ کر دروازے سے خنجر کھینچا۔ جس کے دستے سے کاغذ کا ایک پرزہ لپٹا ہوا تھا۔ حمید نے اس کی تہہ کھولی۔
 اور! کاغذ کے پرزے پر تحریر تھا

”مطالبہ..... سات ااکھ سکھ رائج الوقت! مہلت

..... تین دن..... جو میڈیکل سرٹیفکیٹ داخل

کرنے پر بھی نہ بڑھ سکے گی۔

الداعی

تھریسیا بمبیل بی اینڈ کو.....!“

حمید نے اسے ڈاکٹر سلمان کی طرف بڑھا دیا اور ڈاکٹر سلمان نے اسے پڑھ کر سب کو سناتے

ہوئے کہا۔ ”جلد بازی..... بہت بُری چیز ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“ تھریسیا جلدی سے بول پڑی۔

”تم تو بس خاموش ہی رہو۔“ ڈاکٹر سلمان بگڑ گیا۔ ”تم سے کس گدھے نے کہا تھا کہ پش فائر

استعمال کی جائے۔“

تھریسیا نے اپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی اور حمید کو بڑی میٹھی نظروں سے دیکھنے لگی۔

حمید بھی جوانا خفیف سا مسکرا دیا..... اور اب وہ اُن سب کی موجودگی میں اسے بے تکلف قسم

کے اشارے کرنے لگی تھی۔

ختم شد